بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

جلد نمبر ۵۹ | ۲۵ر مارچ ۲۰۲۲ء مطابق ۲۱ر شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ | شمارہ نمبر ۱۰

سرپرست

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول: شمس الحق ندوی

نائب مدیر: محمود حسن حسنی ندوی

معاون مدیر: محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی ❁ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت: مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی ❁ مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی

اس شمارے میں

شعروادب یہ کلفت پیش خیمہ ہوتری ذرہ نوازی کا	مخدوم امۃ اللہ تسنیمؒ	۴
اداریہ ماہ مبارک۔نیکیوں کا موسم بہار	شمس الحق ندوی	۵
نور بصیرت صبر وتحمل اور بلند حوصلگی کا فقدان	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۷
تعلیم وتربیت ابتدائی مدارس اور اسلامی اسکولوں.....	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۹
حالات حاضرہ مسلمان عوام وخواص کے لیے چیلنج	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۱۰
فکر معاصر ہمارے سماج میں بدلتے پیمانے	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ	۱۱
فکر وعمل موجودہ حالات اور چند گزارشات	مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی	۱۳
رسید کتب تعارف وتبصرہ	محمد اصطفاء الحسن ندوی	۱۴

خصوصی گوشہ بیاد

ڈاکٹر شاہ عباد الرحمٰن نشاط رحمۃ اللہ علیہ

ہماری تصنیفات ورسائل کے.....	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۱۵
ڈاکٹر عباد الرحمن کی دینی فکر اور دعوتی جذبہ	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۱۶
ایک صاحب دل دانشور وادیب	مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی	۲۰
ڈاکٹر عباد الرحمن نشاط مرحوم	مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی	۲۱
جناب عباد الرحمن نشاط کی بوالحسن شناسی	پروفیسر محسن عثمانی ندوی	۲۲
پروفیسر ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط مرحوم	سید محمود حسن حسنی ندوی	۲۵
دین ودانش کا خوبصورت استعارہ	فتح محمد ندوی	۲۸
سید احمد شہیدؒ۔شخصیت، تحریک.....	ڈاکٹر شاہ عباد الرحمٰن نشاطؒ	۳۱

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرتعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT

A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)

IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157

State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہ کرم رقم جمع ہوجانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ایم میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406

website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون -/400	فی شمارہ -/20	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے 75$

ڈرافٹ نمبر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر =/30₹ جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوچکا ہے، لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعر وادب

یہ کلفت پیش خیمہ ہو تری ذرہ نوازی کا

مخدومہ امۃ اللہ تسنیمؒ

بنا کر اپنا مرکز دل کو تو ایسا سما جائے
کہ تجھ کو پا کر یہ بے چین دل تسکین پا جائے

بسا ہو تو نہ جس کے دل میں دل بے کار ہے بالکل
نہ ہو گر باغ میں گل تو وہ گلشن خار ہے بالکل

بہت بے لطف اور بے کیف گزری زندگی اتنی
کٹے اب تیری طاعت میں ہے باقی زندگی جتنی

اطاعت ہو شعار اپنا، عبادت ذوق بن جائے
مرا ہر ہر قدم یارب سراپا شوق بن جائے

جیوں تیری طلب میں اور مروں تیری محبت میں
یہ پوری زندگی گزرے الٰہی تیری مدحت میں

مجھے اتنی محبت دے، بنوں تصویر اُلفت کی
سراپا شوق بن کر توڑ دوں زنجیر فرقت کی

یہ روح کنج قفس میں پھڑ پھڑائے اور مچل جائے
تجھی کو یاد کرتے کرتے میرا دم نکل جائے

میرے رب مہرباں ہو جا تجھے صدقہ کریمی کا
یہ کلفت پیش خیمہ ہو تری ذرہ نوازی کا

ہوئے ہوں عمر میں جتنے گناہ سب معاف کر دے تو
الٰہی ہر برائی سے مرا دل صاف کر دے تو

گناہ آلودہ دل کو پاک کر دے آبِ رحمت سے
مجھے خلعت ملے بخشش کا تیری بابِ رحمت سے

تری شفقت تو مادر اور پدر سے ہے کہیں زائد
نہ ہو میری پکڑ بالکل نہ ہو کوئی سزا عائد

بچا کر مکرِ شیطاں سے مجھے اپنا ہی راغب کر
ہٹا کر دارِ فانی سے مرا دل اپنی جانب کر

رہے تسنیم ہر لحظہ ترے ہی ذکر میں شاغل
تری بندہ نوازی سے یہ درجہ اس کو ہو حاصل

☆☆☆☆

اداریہ

ماہِ مبارک-نیکیوں کا موسمِ بہار

شمس الحق ندوی

یہ ماہِ مبارک موسمِ بہار ہے۔ بھوک، پیاس، صبر وتحمل، غیر ضروری باتوں سے بچنے اور دور رہنے کی فکر، اپنی زندگی کے بیتے ہوئے دنوں کا احتساب و جائزہ، جو کھو چکے اس پر افسوس وشرمندگی کے آنسو بہانے اور توبہ واستغفار کے پانی سے دھونے کا یہی سنہرا موقع ہے۔ بارانِ رحمت ومغفرت کی جھڑی لگی ہوئی ہے، جہنم سے نجات وآزادی کا بھی اعلان ہے، حدیثِ پاک کے مطابق: "یا باغی الخیر أقبل، و یا باغی الشر أدبر" (اے خیر کے تلاش کرنے والے! آگے بڑھ، اور اے شر کے تلاش کرنے والے! پیچھے ہٹ) کی صدا گونج رہی ہے۔

یہ ذکر وتلاوت اور داد ودہش کا مہینہ ہے۔ اب تک جو بھول چوک ہو چکی ہو اس پر ندامت اور آہ وزاری کا مہینہ ہے۔ یہی اس ماہِ مبارک کی قدر دانی ہے۔ کوتاہی اور گناہ کی مختلف شکلیں ہیں، دین کے کسی حکم کو توڑنا بھی گناہ ہے، فرد کا فرد کی حق تلفی کرنا، حق مارنا' یہ بھی جرم وگناہ ہے، اپنے فرائض وذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا' یہ بھی گناہ ہے؛ لیکن فرد یا جماعت کا کچھ ایسے کام کرنا جس سے امت کے اتحاد و طاقت کو نقصان پہنچتا ہو' یہ گناہِ عظیم ہے۔

اس وقت جب کہ ماہِ مبارک کی برکات سے ہمارے قلوب کو یک گونہ یکسوئی اور رضائے مولیٰ کی تلاش وجستجو کا شوق وجذبہ حاصل ہے' خدا کے نام پر بھوک، پیاس، ذکر وتلاوت، تراویح وتہجد نے دلوں کو نرم کر دیا ہے۔ ہر پہلو سے اپنی زندگی کا جائزہ لیں، اپنے دینی کاموں اور سرگرمیوں پر بھی نظر ڈالیں، اور دیکھیں کہ اس میں کتنا حصہ خدا کی رضامندی اور دین کی سربلندی کا ہے، اور کتنا نام ونمود اور اپنی ہوس و خودنمائی کا یا اپنے سطحی اغراض ومقاصد کا ہے، جو دین کے رنگ میں خالص دینا ہے۔

ان مبارک گھڑیوں میں اپنے حالات واعمال، نیتوں اور ارادوں کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے کر اس رخ کو متعین کر لینا ضروری ہے، جس میں خدا کی رضامندی، امت کا مفاد عام اور زندگی کا پیغام مضمر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کو ہدایت دیتے ہوئے لکھا تھا: "لا یمنعك قضاء قضیته الیوم، فراجعت فیه نفسك و هُدیت فیه رشدك أن ترجع عنه، فان الحق قدیم و مراجعة الحق خیر من التمادی فی الباطل"۔

یہ حکم نامہ اگر چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا، لیکن یہ ایسی اصولی بات ہے کہ جو ہر طالب حق کے لیے سنگِ میل اور منارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر کوئی بھی شخص غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس نے اب تک جو سمجھا تھا' وہ غلط تھا، تو پھر یہ نہ سوچنا چاہیے کہ اب ہم اپنی رائے بدلیں گے تو لوگ ہم کو کیا کہیں گے۔ خدا کے یہاں لوگوں کے کہنے کا اثر نہ ہوگا؛ بلکہ وہاں تو معاملہ حق کا حق ہی کے حق میں ہوگا۔ ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک شخص جب حقیقت پسندی سے کام لیتا ہے تو اس کا ضمیر آواز دیتا ہے کہ تمہاری رائے اور فیصلہ غلط ہے، تم جس کی رائے کو غلط سمجھ رہے ہو' اس کی رائے صحیح ہے، مگر یہ شخص صرف اس وجہ سے اپنی رائے سے رجوع نہیں کرتا کہ اس کی اَنا کو ٹھیس لگے گی؛ حالانکہ اس کو معلوم ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو خدا کی رضا کی خاطر جھکے گا' خدا اس کو اٹھائے گا، بلند کرے گا، حدیث کے الفاظ ہیں: "من تواضع للّٰه رفعه اللّٰه"۔

دینی مسائل میں بھی، نظریاتی وفکری اختلاف کی یہی صورت ہے کہ اگر ہمارا کوئی نظریہ غلط ثابت ہوجاتا ہے اور ہم حقیقت آشنا ہوجاتے ہیں تو پھر اخلاص اور خدا کی رضاجوئی اور قوم وملت کے مفاد کا تقاضا ہے کہ ہم بلا پس وپیش اپنے فکر ونظریہ کی غلطی تسلیم کرکے دوسرے صحیح فکر ونظریہ کو مان لیں کہ دینِ اسلام کی یہی اصل روح ہے۔

غلط بات پر قائم رہنا، لوگوں کو تو دھوکہ دے سکتا ہے؛ لیکن وہ دن آکے رہے گا جب ساری تاویلات وملمع سازی کا رنگ وروغن اتر جائے گا، اور حقیقت اپنے اصل روپ میں سامنے کردی جائے گی، دنیا کا فنا ہونا اور قیامت آنا یقینی ہے۔ کب آئے گی؟ اس کو اللہ تعالی نے نہیں بتایا تا کہ ہر انسان کو اس کے عمل کا بدلہ دے اور بدلہ ویسا ہی ہوگا جیسا عمل ہوگا: "الجزاء من جنس العمل" اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو کھول کر بیان کردیا، فرمایا: "اِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيهَا، لِتُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَى". [طہ:۱۵]

رمضان المبارک میں اگر بھوک، پیاس، صبر وضبط، حلم وبردباری اور طبیعت کی ناگواری جھیلنا اس لیے ہے کہ کہیں ہمارا روزہ نہ خراب ہوجائے، تو یہ اس کی مشق ہے کہ مسلمان حق پر قائم رہے، اور حق کی خاطر یہ ناگواری بلکہ کبھی کبھی ذلت وخواری تک کو گوارا کرلے؛ لیکن حق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

☆☆☆☆☆

مکتوبات

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (جلد ششم)

مرتب: مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مکمل صفحات: ۴۴۰ قیمت: ۳۵۰/روپے

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

ٹیگور مارگ، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539 موبائل نمبر: 9889378176

ای میل: info@airp.org.in

Declaration Of Ownership & Other Details

Form-4 Rule-8

Name Of Paper:	Tameer-e-Hayat
Place Of Publication:	Lucknow
Periodicity Of Publication :	Fortnightly
Cheif Editor:	Shamsul Haque Nadwi
Nationality:	Indian
Address:	Campus Darul Uloom Nadwatul Ulama Tagore Marg.Lucknow U.P.INDIA
Printer & Publisher :	Athar Husain
Nationality:	Indian
Address:	21,Adnan Palli,Near Hira Public School Ring Road, Dubagga Kakori,Lucknow.

I Athar Husain Printer, Publisher Declare That The above information Is correct To the best of knowledge and belief.

Athar Husain

تکبیر مسلسل

صبر وتحمل اور بلند حوصلگی کا فقدان

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

چمن میں تلخ نوائی مری گوارہ کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

مجھے سب سے بڑا خطرہ (جواب خطرہ نہیں رہا، بلکہ مشاہدہ بنتا جارہا ہے) مسلمانوں کی ان دو کمزوریوں یا بیماریوں سے ہے، جو دل پر پتھر رکھ کر کہتا ہوں کہ ہندوستان کی حد تک ملّی مزاج بنتا جارہا ہے، ایک عجلت و بے صبری، وہ یہ کہ مسئلہ کتنا ہی طویل المیعاد، صبر آزما اور پیچیدہ ہو، یہاں کے مسلمان ہتھیلی پر سرسوں اگانے کے قائل ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ جو مہم صبح شروع ہوئی ہے، وہ سورج غروب ہونے سے پہلے کامیاب ہونی چاہیے اور بیل منڈھے چڑھ جانی چاہیے، مسائل کو کامیابی سے حل کرنے میں ایک بڑا فیکٹر (Factor) صبر وتحمل، قوت برداشت اور بلند حوصلگی ہے، مسلمانوں ہی کی تاریخ نہیں، تمام زندہ وفاتح قوموں کی تاریخ (خود سیرت نبویؐ جس سے بڑھ کر ہمارے لیے کوئی اسوہ ونمونہ نہیں) تلخ و شیریں، سرد وگرم، نشیب وفراز کے مناظر کا مجموعہ اور ایک طویل، صبر آزما، زہرہ گداز جدوجہد کی روداد ہے، تحریکات اور مہمات کی تاریخ بھی ہمیں یہ سبق دیتی ہے، لیکن ہندوستانی مسلمانوں کا مزاج اس کے برخلاف معرکہ کو چٹکیوں میں فتح کرلینے کا قائل ہے۔

بمبئی میں مہاراشٹر مسلم پرسنل لا بورڈ کی ایکشن کمیٹی کا جلسہ تھا، مجھے بھی اس میں شرکت کا موقع ملا، سنجیدہ اور تعمیری انداز میں گفتگو کا سلسلہ جاری تھا، اور ہفتۂ تحفظ شریعت منانے کے لیے ضروری اقدامات پر غور کیا جارہا تھا کہ اچانک ایک نوجوان کھڑا ہوا، اور انھوں نے ایک مضمون پڑھنا شروع کیا کہ زندہ قوموں اور ملکوں کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی جماعت کسی مسئلہ کے حل کرنے میں ناکام ہوجاتی ہے تو پیچھے ہٹ جاتی ہے اور دوسروں کے لیے جگہ خالی کردیتی ہے، اتنی طویل مدت ہوگئی اور مسلم پرسنل لا بورڈ مسئلہ کو حل نہیں کرسکا، اس لیے اس کو اب اپنی ناکامی کا اقرار کرلینا چاہیے، اور دوسروں کو کام کا موقع دینا چاہیے، یہ سن کر اپنی افتادِ مزاج کے برخلاف میرے اندر سخت تاثر پیدا ہوا، اور میں نے کہا کہ یہ ایک مریضانہ ذہنیت کی علامت ہے، آپ نے برادرانِ وطن کے کردار کا بھی مطالعہ کیا ہے؟ انھوں نے تحریک آزادی کے سلسلہ میں، نیز اپنے تعمیری منصوبوں کی تکمیل میں کتنے صبر وتحمل سے کام لیا، اور اپنے رہنماؤں کو کام کرنے کا کتنا طویل موقع دیا، گاندھی جی ہوں یا مالوی جی یا دوسرے ہندو سیاسی لیڈر اور قومی معمار، انھوں نے کتنے سکون واطمینان قلب کے ساتھ کام کیا، دو ہی دن بعد قوم نے ان کا دامن جھٹکنا اور گریبان پکڑنا نہیں شروع کیا، مسلمانوں کو تو صبر و تحمل کا زیادہ عادی ہونا چاہیے کہ ان کا صحیفہ اور ان کے نبیؐ کا اسوہ اور خدا کی قدرت کاملہ پر یقین ان کو زیادہ وسیع القلب اور وسیع النظر بنادیتا ہے، مگر افسوس ہے کہ معاملہ الٹا ہے۔

مسلمانوں کی دوسری کمزوری جواب ایک نیشنل کیرکٹر کا رنگ اختیار کرگئی ہے، وہ ان کی اپنے قائدین کے بارے میں بے اعتمادی، بدگمانی، شدید احتساب، بے ضرورت تنقید اور کردار کشی ہے، پھر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ برادرانِ وطن کا اپنے سیاسی، تعلیمی، تعمیری رہنماؤں اور سماجی کام کرنے والوں کے بارے میں رویہ بالکل مختلف ہے، اپنے رہنماؤں سے بلند اخلاقی معیار، ہر شک وشبہ سے بالاتر دیانت کی توقع، اسلامی تعلیمات اور اسلامی تصورات کے عین مطابق ہے، لیکن اس میں اس حد تک افراط وغلو کہ ہر کام بدگمانی سے شروع کیا جائے اور ہر قائد وخادم ملت کو بے اعتمادی اور بے توقیری کی نظر سے دیکھا جائے اور اس پر بڑے سے بڑا الزام لگانے میں پس وپیش نہ کیا جائے، اس کے بارے میں بعید از قیاس سے بعید از قیاس بات کو فوراً باور کرلیا جائے، افواہ پھیلانے اور ان کو مان لینے میں ذرا بھی احتیاط وتامل سے کام نہ لیا جائے، ایک ایسی مہلک بیماری ہے جو پورے شیرازۂ ملت کو درہم برہم کرنے کے لیے کافی ہے، اور بڑے سے بڑے شیر دل، کوہ وقار اور پاکباز و پارسا خادم دین اور بڑے بڑے طوفانوں میں کشتیٔ ملت کے سرپھرے ملّاح کا دل توڑ دینے اور اس کی ہمت پست کردینے کے لیے کافی ہے، وہ دشمنوں کی اذیتوں، قید وبند کی سزاؤں، بچوں اور افرادِ خاندان کے فاقے کو برداشت کرسکتا ہے، اور اس کی پیشانی پر شکن نہیں آسکتی ہے، لیکن اتّہام اور الزام، کردار کشی اور ملت کا غدّار بنائے جانے سے اس کا دل چور چور ہوجاتا ہے اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑجاتے ہیں، کسی نے سچ کہا ہے کہ ایک بڑھیا کو حضرت عمرؓ کے ٹوکنے، ایک اعرابی کو سوال پوچھ لینے کی

روایات کو ہمارے قومی جلسوں اور مجالس وعظ میں ایسے مبالغہ اور بے اعتدالی سے بیان کیا گیا ہے کہ ہر شخص نے اس کی تقلید شروع کردی ہے، چاہے امیر المومنین فاروق اعظمؓ کے مقام کا آدمی نہ ہو لیکن پوری قوم بڑھیا اور اعرابی کا کردار ادا کرنا چاہتی ہے، اکثریتی فرقے کا اپنے رہنماؤں اور کارکنوں کے بارے میں رویہ واضح طور پر اس کے برعکس ہے، اپنی دوسری کمزوریوں کے باوجود وہ نمایاں طور پر اس سلسلہ میں محتاط، فراخ دل اور وسیع النظر واقع ہوئے ہیں۔

میرے نزدیک اوّلین اور اہم کام خود مسلمانوں میں شرعی، عائلی قانون پر عمل کرنے کی دعوت وتبلیغ ہے، جس کے اہم اور مرکزی اجزاء حقوق الزوجین، اسلامی تعلیمات اور اسوۂ نبویؐ کے مطابق ازدواجی زندگی گزارنا، شفقت ومحبت اور قرآنی الفاظ میں "وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً" کے اصول پر ایسی ازدواجی وعائلی زندگی گزارنا جس میں محبت وموڈت اور رحمت کا عنصر غالب ہو، صلہ رحمی، ترکہ کی شرعی تقسیم، طلاق کے حق کا نہ صرف شرعی بلکہ مسنون طریقہ پر استعمال ہو، اور "وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ" (اور اللہ سے تقویٰ اختیار کرو جس کے واسطہ سے ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور قرابتوں کے باب میں بھی تقویٰ اختیار کرو) کی اس ہدایت قرآنی پر عمل جو تمام انسانی، اسلامی و اخلاقی پہلوؤں اور گوشوں پر حاوی ہے، اس کے لیے ایک طوفانی مہم چلانے کی ضرورت ہے جس کے اثر سے شہر تو شہر کوئی قصبہ اور گاؤں اور مسلمانوں کا کوئی محلّہ اور خاندان بھی بے خبر اور بے اثر نہ رہے، اس کے لیے مساجد کے منبر ومحراب، مجالس وعظ، اسلامی اجتماعات وتقریبات، اخبارات و رسائل اور ابلاغ عامہ کے تمام ذرائع پوری سرگرمی سے استعمال ہونے چاہئیں، میرے نزدیک یہ بنیادی کام ہے اور ان میں ان مشکلات اور خرابیوں کا اصل علاج ہے، جنھوں نے اس وقت نازک مسئلہ کی صورت اختیار کرلی ہے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے "اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ" [الانفال] (اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں ایک فیصلہ کی چیز دیدے گا، اور تم سے تمہارے گناہ دور کردے گا)۔

دوسری ضرورت یہ ہے کہ مسلمان تعلیم یافتہ طبقہ اور ملک کے دانشور اور حقیقت پسند غیر مسلموں کو اسلام کے عالی نظام کی برتری، اس کے منصفانہ، عقل سلیم اور فطرت انسانی کے مطابق ہونے کو (جو خدائے حکیم ودانا، رؤوف ورحیم اور خالق کائنات اور مربی نوع انسانی کا بنایا ہوا ہے) علمی انداز ناقابل تردید دلائل اور مذاہب اور عائلی قوانین اور نظاموں کے تقابلی مطالعہ کے ساتھ انگریزی، اردو، ہندی اور علاقائی زبانوں میں پیش کیا جائے، یوں تو متعدد وقیع چیزیں شائع ہوچکی ہیں، لیکن اس میں وسعت وترقی اور اضافہ کی ضرورت ہے، اس موضوع پر صاحب نظر، صاحب ایمان ماہرین قانون اور اہل قلم سے کتابیں لکھوائی جائیں، سیمنار، سمپوزیم منعقد کیے جائیں، جن میں ممالک عربیہ کے چوٹی کے فضلاء، ماہرین فقہ اسلامی کو دعوت دی جاسکتی ہے، اس سلسلہ میں اس موضوع پر نیز دوسرے ملّی مسائل پر ڈائیلاگ (Dialogue) کا انتظام کرنا بھی مفید ہوگا، اور بعض اہل علم اس پر سنجیدگی سے غور بھی کررہے ہیں۔

شریعت کے بتائے ہوئے ان متبادل انتظامات کو زندہ اور قائم کرنا پڑے گا جن کی شریعت نے ترغیب دی ہے، اور جو شریعت اسلامی کے برکات میں سے ہیں، مثلاً عورت کو والدین اور دوسرے مورثین کے ترکہ سے شرعی حصہ دلانا، جو بعض شکلوں میں واجب ہے اور بہت سے خاندانوں اور معاشروں میں عرصہ سے متروک ہے، مطلقہ کے قریبی رشتہ داروں (ذوی الارحام) اولاد، بھائیوں اور اگر والدین زندہ ہوں تو ان کو اس کے ساتھ اعانت ومواسات (ہمدردی و غمخواری) اور صلہ رحمی کی ترغیب دینا، اس کی کفالت کا مناسب بندوبست کروانا، اگر نکاح ثانی کی عمر اور حالات ہیں تو اس کی ترغیب وتحریض، نیز اسلامی بیت المال کا قیام جس سے نادار اور ضرورت مند افراد کو ضروریات زندگی اور قوت لایموت فراہم کیا جائے۔

اس سے بڑھ کر پورے مسلم معاشرہ میں ہمدردی، سلوک، ایثار وفیاضی کا جذبہ پیدا کرنا، جو ہزار بیماریوں کا علاج ہے، اور ہزار مشکلات ومسائل کا حل، اور جو مسلم معاشرہ کو وضعی قوانین سے مستغنی کرتا ہے، اور صدر اوّل اور اسلام کی ابتدائی تاریخ میں اس کی تابناک مثالیں ہیں، اور اس کا زندہ ثبوت ملتا ہے، یہ ہیں کرنے کے وہ کام جن کو جلد سے جلد شروع ہوجانا چاہیے، اور جو اسلام کی روح، مزاج اور شریعت الٰہی اور تعلیمات آسمانی سے پوری مطابقت رکھتے ہیں، اور انھیں میں شریعت کا اصل تحفظ اور اس ملک و عہد میں مسلمانوں کے ایک صاحب شریعت، صاحب کردار، اور صاحب مقام مستحکم و باعزّت، خوددار اور غیور ملت کی حیثیت سے باقی رکھنے کی ضمانت ہے۔

☆☆☆☆☆

تعلیم وتربیت

ابتدائی مدارس واسلامی اسکولوں کی ضرورت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ہم دنیا کے ایک عظیم ملک ہندوستان میں ہیں، لیکن اقلیت کی صورت میں ہونے کے سبب ہم پر دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے؛ ایک تو یہ کہ ہم ملت اسلامیہ کے دینی تشخص کو برقرار رکھیں، دوسرے یہ کہ ہم اپنی امت کے دین متین کے حامل ہونے کی بنا پر رہبر امت کا کردار انجام دیں، اس کے لیے یہ ضرورت محسوس کی کہ ہم اپنے اندر اس کے دینی علوم میں پختہ استعداد، عصری تقاضوں سے اچھی واقفیت اور غیروں کے لیے اعلیٰ پیغام عمل پیش کرنے کی صلاحیت پیدا کریں، ندوۃ العلماء اپنے پیش نظر اسی نقطۂ نظر کو رکھتا ہے اور کوشش کرتا ہے۔

تعلیم کے دین ودنیا کے لحاظ سے جامع ہونے کی ضرورت کو جو اہمیت دی جاتی ہے، اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ انسانی زندگی دو پہلوؤں پر مشتمل ہے، ایک دنیاوی ضرورت، دوسرے دینی اور اخلاقی ضرورت، دونوں ضرورتیں برحق ہیں، دنیاوی ضرورت زندگی کی بقا اور اس کے دنیاوی تقاضوں کو پورا کرنے سے پوری ہوتی ہے، دینی واخلاقی ضرورت عقیدہ ودینی عمل کے حامل ہونے سے تعلق رکھتی ہے، اور اس کے لیے دونوں ضرورتوں کا لحاظ تعلیم کے بنیادی اور ابتدائی مرحلہ میں کرنے کی ضرورت زیادہ ہے، اس کے بعد علمی بلندی وکمال حاصل کرنا ہو تو اعلیٰ تعلیم کے مرحلہ میں حاصل کیا جاتا ہے اور اس مرحلہ میں مختلف علوم کو ایک ساتھ جمع نہیں کیا جاسکتا، ان میں سے کسی ایک کا ہی انتخاب کیا جاتا ہے جیسا کہ دنیاوی تعلیم کے کسی پہلو میں بلندی وکمال اوپر کی تعلیم میں حاصل کیا جاتا ہے۔

ہم جب تعلیم کی جامع ضرورت کی بات کرتے ہیں تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلمان طالب علم دنیاوی تعلیم کا راستہ اختیار کرے یا دینی تعلیم کا راستہ اختیار کرے، اس کو تعلیم کے ابتدائی مرحلہ میں دونوں راستوں کی بنیادی معلومات حاصل کرنا چاہیے، پھر وہ اگر بڑا عالم دین بنتا ہے، تو ضروری دنیاوی معلومات سے بھی واقف ہو، اور وہ اگر کسی دنیاوی فن وعلم میں کمال حاصل کرے تو اس کو عقائد وعبادات کی ضروری معلومات حاصل ہوں، تاکہ وہ مسلمان بن کر زندگی گزار سکے، ملحد یا بد کردار انسان نہ بنے۔

اس لیے ضرورت ہے کہ تعلیم کے بنیادی وابتدائی مرحلہ میں دونوں راہوں کو جمع کیا جائے، جہاں تک اعلیٰ تعلیم کا معاملہ ہے تو وہ کسی ایک یا دو فنون سے زیادہ میں نہیں ہوسکتی جیسا کہ دنیاوی تعلیم کے اعلیٰ مرحلہ میں ہوتا ہے کہ جو میڈیکل کی تعلیم حاصل کرتا ہے وہ انجینئرنگ کی تعلیم کو اس کے ساتھ جمع نہیں کرتا اور جو قانون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرتا ہے وہ ادب ولٹریچر کی تعلیم کو اس کے ساتھ جمع نہیں کرتا، بلکہ کسی ایک بڑے شعبہ میں اس کے ایک جزء ہی کو اختیار کرتا ہے، مثلاً انجینئرنگ ہے تو اس کے مختلف پہلوؤں میں ایک کو دوسرے کے ساتھ جمع نہیں کرتا، ایسی صورت میں کسی کا یہ کہنا کہ دین کی اعلیٰ تعلیم میں اگر کوئی حدیث وفقہ میں کمال پیدا کررہا ہے وہ انجینئرنگ یا ڈاکٹری کی تعلیم کو بھی جمع کرے، وہ اگر ایسا کرے گا تو اسکو نہ اس میں کمال حاصل ہوگا نہ اس میں۔

دراصل تعلیم کے بنیادی اور ابتدائی مرحلہ میں جامع تعلیم کا عمل عام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ہماری نئی نسل دین ودنیا دونوں کے تقاضوں سے واقف ہو، وہ باصلاحیت اچھے شہری ہوں اور اچھے مسلمان بھی ہوں، اس ضرورت کو پورا کرنے کا تقاضہ ہمارے سامنے بہت عیاں ہوتا جارہا ہے، دنیاوی تعلیم کے باصلاحیت افراد میں بکثرت ایسے لوگ ملیں گے کہ تعلیم کے ابتدائی مرحلہ میں دین کی بنیادی معلومات حاصل نہ کرسکنے کی وجہ سے، ان سے دین کی بنیادی باتوں میں سے کوئی بات پوچھ لی جائے تو بتا نہ سکیں گے، قرآن مجید کی تلاوت تک نہ کرسکیں گے، کیونکہ قرآن مجید کا پارہ عم تک بھی انہوں نے نہ پڑھا ہوگا، ہم کو ذہن میں یہ بات ضرور رکھنی چاہیے کہ مرنے کے بعد ہر ایک کو اپنے رب کے حضور میں جانا ہے اور جواب دہ ہونا ہے تو ہم وہاں کیا کہیں گے، صرف روزی کی فکر، اچھے معاش کی فکر، صرف یہ نہ ہونا چاہیے، آخرت کی فکر بھی ہونی چاہیے۔

ضرورت ہے کہ ہم اپنے ابتدائی مرحلہ کے مدارس یا اسکول جگہ جگہ قائم کریں جن میں یہ جامع تعلیم ہوتا کہ ہم نئی نسل کو ایسے کسی بھی ملک میں جہاں ہماری کچھ بھی تعداد ہو بے دینی سے بچاسکیں، خاص طور پر اقلیت میں ہونے کی صورت میں اگر قصبہ قصبہ گاؤں گاؤں ایسے اسکول قائم کیے جاسکیں تو ہماری یہ اہم ضرورت پوری ہوسکے گی، ورنہ اقلیت میں ہونے کی صورت میں ہم دینی ضرورت کے احساس سے بھی محروم ہوجائیں گے۔

اور ہمارے یہ بڑے مدرسے تو دراصل علوم دینیہ کی حفاظت اور ان کے ذریعہ عامۃ المسلمین کی دینی رہنمائی کا ضروری کام انجام دیتے ہیں، اور اس طرح یہ علوم دینیہ کی خصوصی ضرورت کو پورا کرتے ہیں، یہ عوامی سطح کی بنیادی دینی ضرورت کو اپنی اعلیٰ تعلیم کی مشغولیت اور کم تعداد میں ہونے کی وجہ سے پوری نہیں کرسکتے، اس کے لیے ابتدائی مدارس واسلامی اسکولوں کو جگہ جگہ قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

☆☆☆☆☆

حالات حاضرہ

مسلمان عوام وخواص کے لیے چیلنج

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

ہر دور میں اسلامی نظام پر حملہ کرنے والی جماعتیں اور افراد پائے گئے اور اسلامی اصولوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاریاں بڑے پیمانے پر منظم تحریکوں کے ذریعہ ہوتی رہی ہیں لیکن اس دور میں اسلامی قوانین اور شریعت کے مقرر کردہ اصولوں کے خلاف جو کوششیں ہو رہی ہیں وہ نہ صرف کسی منظم تحریک کے پس پردہ جاری ہیں، بلکہ یہ اس سازش کی ایک بہت بڑی کڑی ہے جو مخالفین اسلام نے خود مسلمانوں کے اندر اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی غرض سے شروع کی تھیں اور جس کے نتیجہ میں 'تجدد پسند' مسلمانوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا جو اسلام کو چودہ سو سال پہلے کی 'قدامت' سے نکال کر موجودہ زمانہ کی ترقیوں کے مطابق کرنا چاہتا ہے اور جس کا خیال ہے کہ قدیم اسلام نئے زمانے کی زندگی کا ساتھ دینے کی صلاحیت کھو چکا ہے، اس لیے اس میں کمی زیادتی کا عمل ناگزیر ہے اور ترمیم واصلاح کی شدید ضرورت ہے۔

یہ ایک بہت بڑی سازش کے کامیاب ہونے کی علامت ہے کہ خود مسلمان اس تبدیلی کا مطالبہ کرنے لگیں، اور وہ خدا اور انسان کے وضع کردہ قوانین میں کوئی فرق نہ کر سکیں، اور وہ اس حقیقت سے بھی منہ موڑ لیں کہ شریعت اسلامی ایک اٹل اور کبھی نہ بدلنے والا وہ قانونِ الٰہی ہے جو کسی انسان کے بدلنے سے تبدیل نہیں ہو سکتا اور نہ کسی بشری طاقت کو اس میں ترمیم واضافہ کا اختیار ہی ہے، جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں یہ رجحان شدت سے پایا جاتا ہے کہ شریعت کو جامد نہیں ہونا چاہیے، اور اصول وقوانین میں لچک اور زمانہ کا ساتھ دینے کی صلاحیت ضرور ہونی چاہیے، یہ دراصل اس تشکیکی ذہن اور اس مرعوبیت کی علامت ہے جو مغربی نظام تعلیم کا خاصہ ہے اور جس نے کسی لمحہ بھی اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا کہ اسلام ان تمام منصوبوں اور پروگراموں کے لیے زبردست خطرہ ہے جو اہل مغرب نے اپنی بالادستی قائم کرنے اور سیاسی واقتصادی حیثیت سے اقوام مشرق کو بالخصوص اور اقوام عالم کو بالعموم مفلوج کرنے کے لیے بنایا ہے، وہ اس راز سے اچھی طرح واقف ہیں کہ اسلامی نظام اور اسلامی اصولوں کے غالب آنے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہر طرح کی قیادت وسیادت کی باگ ڈور یورپ کے ہاتھ سے چھن جائے اور مسلمان اصلاً اس دنیا کے قائد بن کر قوموں کے سامنے آجائیں۔

انہوں نے اندلس پر مسلمانوں کی حکمرانی کی تاریخ کا جائزہ لیا تو انہیں یہ راز اچھی طرح سمجھ میں آیا اور اسی وقت سے وہ اسلامی غلبہ وتفوق کے خلاف ہر طرح کی کوششیں کرتے رہے، اس منصوبے کو علمی جامہ پہنانے کے لیے انہوں نے اسلام کا بغور مطالعہ کیا اور ان تمام طریقوں کا تجزیہ کیا جن کے ذریعہ وہ اسلام کو کمزور بنانے اور اس کے بنیادی عقائد کی عظمت کو ختم کرنے اور مسلمانوں کے دلوں سے اس کی ہیبت اور اس کے وقار کو نکالنے کی تدبیریں سوچ سکیں، اس سلسلے میں بہت سی ایسی تدبیریں ہو چکی ہیں جن سے اسلام کو براہ راست یا بالواسطہ نقصان پہونچایا گیا، خاص طور سے مسلمانوں کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں ایک ایسا گروہ تیار ہو گیا جو اسلام کی طرف سے نہ صرف یہ کہ غیر مطمئن تھا، بلکہ اسلامی نظام کو ایک فرسودہ، مہمل اور از کار رفتہ نظام تصور کرنے لگا اور اس نے اسلامی قانون کی از سر نو ترتیب وتدوین کا نعرہ بلند کرنا شروع کیا۔

وہ احکام ومسائل جو براہ راست کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں اور جن کے بارے میں نص وارد ہے وہ کسی حال میں کسی ادنیٰ سے ادنیٰ تغیر کو بھی برداشت نہیں کر سکتے اور نہ کسی بڑے سے بڑے صاحب علم و بصیرت کو ان کی طرف نظر اجتہاد اٹھانے کا حق ہی ہے۔

مسلم پرسنل لا کا معاملہ بھی اسی نوعیت کا ہے، اس میں کسی تبدیلی کی گنجائش پیدا کرنا کسی بشر کا کام نہیں ہے اور نہ کسی کو اس بارے میں کوئی اختیار ہی حاصل ہے، یہ آواز ادھر بہت سے حلقوں میں اٹھ رہی ہے کہ اسلامی قانون نظر ثانی کا محتاج ہے اور بہت سے مسائل میں تبدیلی کی ضرورت ہے، بعض مسلم ممالک نے اس طرح کے اقدام کرنے کی جرأت بھی کی ہے مگر کسی جرأت یا مطالبہ سے متاثر ہو کر اہل علم، شریعت الٰہی میں تبدیلی کرنے کے مجاز نہیں ہیں، وہ ایک ایسی امانت کے امین ہیں، جس میں خیانت کرنا اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ خیانت کرنے کے مرادف ہے۔

ہمیں اس طرح کے مطالبات کی روح کو سمجھنا چاہیے اور یہ محسوس کرنا چاہیے کہ یہ اور اس طرح کی کوششیں دراصل اسلامی نظام کو پامال کرنے اور شریعت اسلامی کی عظمت کو دلوں سے نکالنے اور اسلام کو خود مسلمانوں کے ممالک میں بے یار ومددگار بنا کر چھوڑنے کی وہ ناپاک سازش ہے جو مسلمان عوام وخواص ہر ایک کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے، لیکن اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے ہم نے کیا تیاری کی ہے؟

☆☆☆☆☆

فکر معاصر

ہمارے سماج میں بدلتے پیمانے

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

قوموں کے ذہنی، علمی اور شعوری رجحانات، حالات اور اُس قوم کے قائدین کے طرز فکر و عمل سے بنتے اور بدلتے ہیں، کسی زمانہ میں علم کا چرچا ہوتا ہے اور اس کی قدر و منزلت بڑھ جاتی ہے، اس زمانہ میں علمی مجالس گرم ہوتی ہیں، علمی موضوعات پر بحث و مباحثہ عمومی مجالس یا ملاقاتوں میں ہوتا ہے، جس سے فکر و نظر کا ماحول بن جاتا ہے، وقار اور سنجیدگی عام ہوتی ہے، غیر اہل علم بھی اہل علم کا مظہر اختیار کرتے ہیں اور علماء کی عزت و احترام کرتے ہیں، سنجیدہ مسائل سے دلچسپی لیتے ہیں اور واقفیت کا مظاہرہ کرتے ہیں، ہر مسئلہ میں گہرائی تک جانے کی کوشش کرتے ہیں اور تجزیہ کے عادی ہوتے ہیں، حقائق کی تلاش اور تحقیق کا رواج ہوتا ہے۔

علم کا جس زمانہ میں چرچا ہوتا ہے، اس زمانہ میں معمولی کام کرنے والے، یا پیشہ اختیار کرنے والے بھی علمی موضوعات سے مناسبت رکھتے ہیں، پانی پلانے والے، موسیقی سے اشتغال رکھنے والے یا دوسری خدمتوں سے وابستہ لوگ سنجیدہ اور دقیق علمی کتابوں اور مصنفین اور محققین سے واقف ہوتے ہیں کہ ان پر اہل علم ہونے کا شبہ ہوجائے، اس علمی مناسبت کے قصے تاریخ میں کثرت سے ملتے ہیں۔

اسی طرح عبادات، اخلاق و معاملات کا معاملہ ہے، بعض زمانوں میں ایسی شخصیتیں پیدا ہوتی ہیں جن کے اثر سے عوام میں مسائل اور فضائل اعمال سے واقفیت اور دلچسپی عام ہوجاتی ہے، عام مجلسوں میں عبادت اور ریاضت و قربانی، بے نفسی، ایثار و للّٰہیت کا عام چرچا ہونے لگتا ہے اور زندگی میں اس کا رواج ہوتا ہے۔

بنیادی مشغلہ جو بھی ہو، عبادت اور اسلامی اخلاق کا اہتمام عام طور پر پایا جاتا ہے، مجلسوں میں اس کا ذکر ہوتا ہے کہ فلاں شخص اپنے مشاغل سے فراغت کے بعد فلاں دینی خدمت میں مشغول رہتا ہے، فلاں شخص بیماروں، غریبوں اور ضرورت مندوں کی بے لوث خدمت میں لگا رہتا ہے، بعض زمانوں میں شجاعت کا مظاہرہ اور صبر و تحمل اور قربانی کے جذبہ کا زور ہوتا ہے، اس زمانہ کا محبوب موضوع شجاعت کا تذکرہ ہوتا ہے، دین کے معاملات کے ساتھ بعض زمانوں میں ملی اور قومی شعور ان کاموں کے نتیجہ میں یا ایسی شخصیتوں کے اثر سے عام ہوجاتا ہے جو اس کام سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اس کے لیے فضا بناتے ہیں، ایسے زمانہ میں ہر شخص اس فکر میں رہتا ہے کہ وہ ایک فرد کی حیثیت سے ملت یا قوم کی کیا خدمت کرسکتا ہے اور اپنی ذات سے خاندان، معاشرہ اور قوم کو ترقی دینے اور خوش حال بنانے میں کیا حصہ لے سکتا ہے، ہر شخص جو کام کرتا ہے، وہ اس کا خیال رکھتا ہے کہ اس کی محنت میں قوم کا کتنا حصہ ہے، یہ اجتماعی اور ملی شعور جب عام ہوتا ہے، اس وقت ملت یا قوم مجموعی طور پر زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کرتی ہے، کچھ لوگ علمی خدمت میں مشغول ہوتے ہیں، کچھ اجتماعی، اخلاقی، فنی اور اقتصادی بہتری کے لیے جد و جہد کرتے ہیں اور برابر اس کا جائزہ لیتے ہیں کہ قوم کی سطح بلند ہو رہی ہے یا نہیں، اگر کہیں خلا ہے یا نشیب و فراز ہے، تو اس کے لیے فکر مند ہوتے ہیں اور عدم توازن کو دور کرتے ہیں، جس سے ایک متوازن معاشرہ تیار ہوتا ہے، بعض زمانوں میں یا حالات میں فنی ذوق عام ہوجاتا ہے، اس زمانہ کا موضوع فنی سرگرمیاں ہوتی ہیں۔

قوم فرد کی طرح جسم، روح، عقل اور شعور کے تقاضوں کا مظہر ہے، فرد کی طرح قوم ان ساری طاقتوں اور صلاحیتوں اور تقاضوں کی متناسب نمائندگی سے بہتر شکل اختیار کرتی ہے، جس قوم میں اس میں سے کسی ایک شعبہ کو نظر انداز کیا جاتا ہے، وہ قوم غیر متوازن ہوجاتی ہے اور اس کا نقصان آنے والی نسل کو برداشت کرنا پڑتا ہے، اگر کسی وجہ سے جذباتیت بڑھ جائے اور فکر و تدبر کم ہوجائے تو قوم نقصان اٹھاتی ہے اور اگر فکر و تدبر اور فلسفہ کا اثر بڑھ جائے تو بھی قوم میں زندگی کے حقائق کا سامنا کرنے کی صلاحیت کم ہوجاتی ہے اور اس میں جمود پیدا ہوجاتا ہے، اس لیے اس کا جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے کہ قوم میں کون سا عنصر کمزور ہے یا مفقود یا اپنے حجم سے بڑھا ہوا ہے۔

اس توازن کو قائم کرنے کے لیے ہر عہد میں صاحب فکر و نظر اور مخلص باشعور ارباب حل و عقد کو جائزہ لینا پڑتا ہے کہ اس عہد میں قوم پر کن اثرات کا غلبہ ہے اور کس طرح کے رجحانات اس میں مفقود ہیں جنہیں پیدا کرنے یا بڑھانے کی ضرورت ہے۔

موجودہ زمانہ میں اگرچہ اس کو اجتماعی فکر کا زمانہ کہا جاتا ہے، زندگی میں انفرادیت اور نظریات میں اجتماعیت پائی جاتی ہے، بعض وقت انفرادی مفاد کو قوم کے مفاد پر ترجیح دی جاتی ہے، ہر شخص ہر حال میں فائدہ اٹھانے والا بننا چاہتا ہے نہ کہ فائدہ

پہنچانے والا، اگر کسی وقت فائدہ پہنچانے پر کوئی مجبور ہوتا ہے تو وہ موازنہ کرتا ہے کہ اس کو کتنا فائدہ حاصل ہوا اور اس کام میں اس کی ذاتی حیثیت کیا ہے اور اس کے اچھے نتائج کا کتنا حصہ اس کی طرف منسوب ہوگا، ریڈیو، اخبارات، قوم کے مزاج کا آئینہ ہوتے ہیں اور سیاسی قائدین قوم کے مزاج کے نمائندے، علماء اور دانشوروں کے طرز عمل سے قوم کی عقلیت اور قوت تفکیر اور رجحان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، یہ سارے مظاہر اور عناصر موجودہ عہد میں ایک ہی ذہن کے مظہر ہیں، ساری ذمہ داری، انصاف، آزادی، حقوق، واجبات دوسروں پر ہیں، اس کی وجہ سے ہر فرد اور ہر طبقہ اور قوم دوسروں کے فرائض پر زیادہ نظر رکھتی ہے۔

قومی سطح پر اس کا مظاہرہ اکثر ہوتا ہے، ایک ملک جس کی تاریخ سامراجی ہے اس کے کارخانوں میں طوق وسلاسل تیار ہوتے ہیں اور اس کی ساری طاقت اس فکر اور جد وجہد میں صرف ہوتی ہے کہ اپنے سامراج کو کس طرح مستحکم کرے اور اقتصادی اور سیاسی اثر ونفوذ کو بڑھائے اور اس ملک میں خود روایتی طرز پر حکومت قائم ہے، لیکن دوسرے ملک میں حریت اور عوام کی نمائندگی کی وہ اس طرح دعوت دیتا ہے جو انارکی کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔

یہی حال قوم اور عوام اور حکومتوں کا ہے، عوام حکومت سے اور حکومتیں عوام سے شاکی اور حقوق کی ادائیگی کے طالب ہیں، ایک ملک میں حزب اختلاف کا تصور محض خیالی کیوں نہ ہو، حزب اختلاف کو مطعون کیا جاتا ہو اور اس کے راستے ہر طرف سے مسدود کر دیے جاتے ہوں، وہ دوسرے ملک میں حزب اختلاف کی آزادی کے لیے کوشاں ہوتا ہے اور اس کو طاقت پہنچاتا ہے، موجودہ عہد کے مفکرین نے قوموں اور افراد کے ذہن میں مقاصد اور حقوق کے حصول کی اہمیت اس طرح راسخ کر دی ہے کہ سارے معاملات، تحریکیں، اقدامات اسی اصول پر قائم ہیں، زندگی کے ہر شعبہ میں قومی اور انفرادی سطح پر یہی رویہ اپنایا جاتا ہے، افراد اپنے قائدین کے انداز فکر اور طرز عمل سے اپنا رخ متعین کرتے ہیں، اس ذہن کی وجہ سے اجتماعی وسائل کے باوجود اختلاف اور مخاصمت کا ماحول پوری دنیا میں عام ہوگیا ہے۔

اتحاد پیدا کرنے کے لیے اولین شرط دوسرے سے ہمدردی اور اس کے مفاد سے حقیقی دلچسپی ہے، اس کے بغیر جوڑ نہیں پیدا ہوسکتا، اس زمانہ میں مادی، علمی، عقلی، ذہنی اور تمدنی میدان میں جو انتشار عام ہے، اس کا سب سے بڑا سبب انفرادی مصلحت کی فکر ہے جس کا دائرہ بڑھتا جارہا ہے۔

اس ایک طرفہ رجحان یا تصور سے ہر پریشانی یا کمی کا ذمہ دار ہر شخص دوسرے کو سمجھتا ہے، اشتراکی ذہن نے یہ تصور دیا کہ جو چیز کسی کے پاس ہے وہ اس شخص سے غصب کی ہوئی ہے، جس کے پاس وہ چیز نہیں ہے، یعنی دولت مندوں کی دولت غریبوں کا غصب کیا ہوا حق ہے، طاقتور کی طاقت کمزور انسانوں سے غصب کی ہوئی ہے، اس لیے غریب کو چاہیے کہ مالدار سے اس کی دولت چھین لے، یا کم از کم یہ تصور رکھے کہ اس کے پاس جو مال ودولت ہے، وہ ناجائز کمائی ہے اور اس میں اس غریب کا حصہ ہے۔

یہی حال عہدوں کا ہے اگر کسی کو بڑا عہدہ یا انعام ملتا ہے تو وہ لوگ جو اس عہدہ پر فائز نہیں ہیں، یہ تصور قائم کرتے کہ یہ عہدہ اس کو ناجائز طریقہ سے ملا ہے اور یہ شخص خود اس کا زیادہ مستحق ہے۔

یونیورسٹی کے اساتذہ، تاجر، اہل علم، سیاست داں اور دوسرے شعبوں سے تعلق رکھنے والوں سے گفتگو کرنے پر یہی تاثر قائم ہوتا ہے کہ دوسرے کو جو اہمیت یا حیثیت حاصل ہے وہ بغیر استحقاق کے حاصل ہے اور جو محروم ہے وہ اس لیے محروم ہے کہ اس کی حق تلفی کی گئی ہے، اس لیے اس کو اس حق تلفی کے خلاف لڑنا چاہیے، اکثر قوموں کی زندگی کا بڑا حصہ اس ذہن کی وجہ سے احتجاج یا انتقام میں صرف ہوتا ہے، تعمیر کی منزل بڑی مدت کے بعد بڑے برے نقصانات کے بعد آتی ہے، اس احتجاج اور انتقام کا ذہن ٹکراؤ اور حسد کی پالیسی رکھنے والے موجودہ عصر کے مفکرین نے بنایا ہے جو انتشار کا سبب ہے۔

ہمارے سماج میں کشمکش کا اصل سبب یہی ذہن ہے، یہ ذہنی غلامی کے عہد کا ورثہ ہے، تعمیری اور اخلاقی موقف یہ ہے کہ اسباب کی تحقیق کر کے انفرادی اور اجتماعی طور پر وہ کمال پیدا کرنے کی کوشش کی جائے جس سے حقوق یا بلند مقام خود حاصل ہوتا ہے، مظلوم افراد اور قومیں جد وجہد سے آگے بڑھتی ہیں، نہ کہ شکوہ اور عیب جوئی سے، اس طرح غلاموں نے جو مدت تک غلامی کی زندگی گزارتے رہے، سرفرازی حاصل کرلی؛ اس لیے کہ انہوں نے وہ کمالات پیدا کرلیے جن کی وجہ سے ان کے آقاؤں کو آقائی ملی تھی۔

اسلامی تاریخ میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ غلاموں اور مظلوموں نے اپنی جد وجہد اور کمال سے آقاؤں کا مقام حاصل کرلیا اور خود مسلمانوں نے اس جد وجہد اور کمال سے اجنبی ماحول میں بلند مقام حاصل کیا اور اقلیت اور اکثریت کا معیار بدل دیا، دنیا میں عزت ودولت بدلتے ہوئے پیمانے ہیں اور ان میں سے کسی چیز کو دوام نہیں، دونوں مالک الملک کے ہاتھ میں ہیں، جو ان کی شرطوں کے ساتھ دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆

فکر و عمل

موجودہ حالات اور چند گذارشات

مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

حکومتیں آتی ہیں اور جاتی ہیں، کبھی کسی کو زیادہ وقت ملتا ہے اور کسی کو کم، یہ وہ ظاہری کامیابی ہے جس کے مستقبل کی کوئی ضمانت نہیں، خود ہندوستان میں اندرا گاندھی کے زمانہ میں ایک دور ایسا گذرا ہے کہ نہیں لگتا تھا کہ اس اقتدار کو بھی جلد ایسا زوال آنے والا ہے، ہر عروج کا زوال ہے، اس کی مدت کی پیشین گوئی اگر کی جاسکتی ہے تو اندر کی اس ٹھوس محنت سے کی جاسکتی ہے جو قومیں یا جماعتیں کرتی ہیں، مستقبل اس زمینی اور ٹھوس محنت کا ہوتا ہے جو مسلسل کی جائے، جس میں کچھ عرصہ کے لیے ظاہری کامیابیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے وہ بنیادی کام کیے جائیں جو قوموں کی کامیابیوں کے لیے شاہ کلید کی حیثیت رکھتے ہیں، ورنہ الیکشن کی محنت ہوسکتا ہے کچھ سیٹیں کسی کی بڑھا دے یا گھٹا دے لیکن یہ مسئلہ کا حل نہیں۔

موجودہ حالات میں خاص طور پر مسلمانوں پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس کے پاس جو سماجی واخلاقی نظام زندگی ہے، اس سے دنیا کی قومیں عاری ہیں، لیکن افسوس کہ ان کے اندر اس نظام کو پیش کرنے اور دنیا کو نیا رخ دینے کا وہ ذوق اور صلاحیت کم ہوتی جارہی ہے جو کبھی مسلمانوں کا امتیاز تھا۔

آج سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مسلمان اپنا جائزہ لے کر نیا سفر شروع کریں، سفر میں رکاوٹیں اور دشواریاں آسکتی ہیں، لیکن منزل جس کے پیش نظر ہو وہ کبھی ہمت نہیں ہارتا، وہ ہمیشہ نئے نئے راستے تلاش کرتا ہے اور منزل کو پانے کے لیے سرگرداں رہتا ہے، مایوسی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، مسلمانوں کا کبھی یہ شیوہ نہیں رہا، اس لیے مایوسی کے لفظ کو حرف غلط کی طرح مٹا دینا چاہیے۔

سب سے پہلے ہمیں اپنی ایمانی سطح کو بلند کرنے کی ضرورت ہے، اللہ پر یقین اور اس کے فیصلوں پر راضی برضا رہنا، جو ہوتا ہے وہ حقیقت میں فیصلہ الٰہی ہے، کوئی طاقت واقتدار میں آتا ہے تو اللہ کے حکم سے آتا ہے، اس کی مصلحتیں بھی وہ حکیم وخبیر خوب جانتا ہے اور یقیناً ہماری بداعمالیوں کا شاخسانہ بھی ہمیں بھگتنا پڑتا ہے، ہم اپنے ایمان کو مضبوط کریں، ایمانی تقاضوں کو بلند کریں اور اسلام کے مکمل نظام حیات کو اپنی زندگی کے لیے دستور العمل بنائیں۔

دوسرے ہمیں تعلیم کے میدان میں آنا ہوگا اور اس کا نظام اپنے ہاتھوں میں لینا ہوگا، زندگی کے تقاضوں کو سمجھ کر ہر شعبہ زندگی کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا ہوگا اور علم کو اخلاق سے جوڑ کر انسانیت کے لیے ایک نیا راستہ ہموار کرنا ہوگا، جس کی ساری دنیا کو ضرورت ہے، اس کے لیے جگہ جگہ اسلامک اسکولز اور کالجز قائم کرنے پڑیں گے، جہاں ہماری پچانوے فیصد آبادی تعلیم حاصل کرتی ہے، اگر ان اداروں کے لیے ہم نے فکر نہ کی، تو یہ نئی نسل ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے گی، آگے کی تعلیم کے لیے بڑے پیمانہ پر کوچنگ سینٹرز کی بھی ضرورت ہے، جہاں ہماری نئی نسل صحیح اسلامی فکر کے ساتھ میدان عمل میں آسکے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہمیں محلّہ محلّہ ایک ایک مسجد کو مرکز بنا کر اپنا اجتماعی نظام بھی قائم کرنے کی ضرورت ہے، اس مسجد سے متعلق کوئی گھر ایسا نہ بچے جس کی ہمیں فکر نہ ہو، ہر ہر گھر کا ایک ایک بچہ اور بچی ضروری دینی تعلیم حاصل کرے، جس سے اس کا ایمان محفوظ رہ سکے، اس کے علاوہ ایک ایک گھر کی بنیادی پریشانیوں کا ہمیں علم ہو اور ان کو دور کرنے کا بھی نظام بنایا جائے، غریبوں کے روزگار کی بھی فکر کی جائے اور اس کے لیے بھی تدبیریں اختیار کی جائیں، صاحب فکر اور صاحب ثروت طبقہ اس کو دینی مزاج کے ساتھ اپنا میدان عمل بنائے اور اس کے لیے ضروری وسائل اختیار کرے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ ہم اپنے اخلاق و انسانیت کے ساتھ دنیا کے سامنے آئیں اور ان غلط فہمیوں کو اپنے طرز عمل سے دور کریں جو اس وقت برادران وطن میں پیدا کی جارہی ہیں، ہم مکمل اسلام کو اپنی زندگی میں داخل کریں اور اپنے اخلاق سے دل جیتنے کی کوشش کریں، تو یقیناً یہ کام آسان ہوجائے گا اور اس کے ساتھ وہ پیام انسانیت کا لٹریچر بھی عام کرنے کی کوشش کی جائے، جس سے ذہن سازی ہوتی ہو، ملاقاتیں بھی کریں، کارنر میٹنگیں اور ڈائلاگ بھی اس سلسلہ میں مفید ہیں۔

مدارس کو مضبوط کرنا ہماری بنیادی ذمہ داری ہے کہ یہی دین کے قلعے ہیں، یہیں سے ہم کو اپنے کاموں کے لیے طاقت وتدبیر مہیا ہوگی۔

یہ چند ضروری اور ٹھوس کام ہیں، جو ان شاء اللہ ہمارے کامیاب مستقبل کی ضمانت ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم پوری طاقت اور تدبیر کے ساتھ ان کاموں میں لگ جائیں، اللہ کی مدد شامل حال ہوگی اور ان شاء اللہ کل حالات کچھ اور ہوں گے۔

☆☆☆☆☆

رسید کتب

تعارف وتبصرہ

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

نام رسالہ: المجیب- **عمدۃ المتوکلین نمبر**
خانقاہِ مجیبیہ، پھلواری شریف

خانقاہِ مجیبیہ، پھلواری شریف پٹنہ اک ایسے خانوادہ سے منسوب ہے جس کا علوم وفنون کے ساتھ تصوف وطریقت سے گہرا ربط رہا ہے، اور اس سلسلہ کی عظیم شخصیات یہاں پیدا ہوئی ہیں اور انھوں نے خانوادہ کی نام ونمود میں اضافہ کیا ہے، اور ان کے قلوب ونفوس نے ہزاروں قلوب و نفوس کو متاثر کیا ہے۔

اسی خانقاہ اور خانوادہ کی ایک مایہ ناز شخصیت سید شاہ ہلال احمد قادری رحمہ اللہ کی شخصیت ہے، جن کو ان کے متوسلین و معتقدین نے 'عمدۃ المتوکلین' و 'فخر المتوکلین' کے خطابات دیے ہیں، اور خانقاہِ مجیبیہ سے مسلسل شائع ہونے والے سہ ماہی مجلّہ 'المجیب' نے اپنی ایک اشاعت ان مضامین کے لیے مخصوص کی جو ان کی وفات کے بعد ان کی یاد میں لکھے گئے، ان مضامین کو جن عناوین کے ساتھ ترتیب دیا گیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف رحمہ اللہ کی سوانح عمری کا معتد بہ مواد 'المجیب' کی اس اشاعت میں آ گیا ہے، عناوین ملاحظہ ہوں:

نقوشِ حیات، اہلِ تصوف کی نگاہ میں، امتیازات وخصوصیات، اوصاف وکمالات، احوال وآثار، تالیفات وتصنیفات، مکاتیب وپیغاماتِ تعزیت، قطعاتِ تاریخ واظہارِ غم، گوشۂ کلام عمدۃ المتوکلین الخ.....

امید ہے شاہ صاحب پر 'المجیب' کی یہ خصوصی اشاعت بالعموم تصوف وطریقت سے تعلق رکھنے والے طبقہ کے لیے نشانِ راہ اور استفادہ کی چیز بنے گی، اور بالخصوص ان کے متوسلین، معتقدین اور منتسبین کے لیے سامانِ تسلی اور ایک حسین یادگار ہوگی۔

نام کتاب: **حیات و خدمات شاہ عبد الرحیم مجددی** (حصہ اول)
مرتبین: مولانا فضل الرحیم مجددی
ومولانا محمد شمشاد ندوی

جے پور راجستھان کی عظیم شخصیت مولانا شاہ عبد الرحیم مجددی رحمہ اللہ سے ملی، دینی، تعلیمی اور اصلاحی میدانوں میں کام کرنے والوں میں کون ناواقف ہے۔ ان کا نمایاں ترین اور عظیم ترین کارنامہ 'جامعۃ الہدایہ' ہے، جو برصغیر کے مدارسِ دینیہ میں اپنا ایک الگ مزاج، مقام، نصاب اور منہج رکھتا ہے، اور اس کے فضلاء اس وقت ملک کے مختلف حصوں اور دنیا کے کئی ممالک میں پائے جاتے ہیں، اور مادرِ علمی کا نام روشن کر رہے ہیں۔

خوشی کی بات ہے کہ جامعۃ الہدایہ کے 'الہدایہ اسلامک ریسرچ سینٹر' نے ان کی شخصیت اور حیات وخدمات کے حوالہ سے مضامین کی اشاعت کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے، جس کا پہلا حصہ شائع ہو کر ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اس حصہ کی ترتیب شاہ صاحب کے فرزند ارجمند معروف دینی وملی شخصیت مولانا فضل الرحیم مجددی اور جامعہ کے مؤقر استاد مولانا محمد شمشاد ندوی نے دی ہے۔

یہ حصہ جو 'دیر آید درست آید' کا مصداق ہے، ۴۴۸ صفحات پر مشتمل ہے، دوسرے حصہ کے لیے مضامین جمع بھی کیے جا رہے ہیں اور لکھوائے بھی جا رہے ہیں، ابھی یہ کہنا مشکل ہے کہ کتنے حصوں میں یہ سلسلہ سما سکے گا، تاہم یہ کہنے میں کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا کہ یہ پہلا حصہ الگ نوعیت کا ہے جب کہ آئندہ حصہ الگ نوعیت کے ہوں گے؛ کیونکہ اس میں وہ مضامین ہیں جو عین وفات کے بعد لکھے گئے ہیں، ایسے مضامین بالعموم تاثراتی و انفعالی ہوا کرتے ہیں، اور آئندہ جو مضامین آئیں گے وہ تحقیقی اور موضوعی ہوں گے (مضمون نگار حضرات سے موضوعات وعناوین کی فہرست کے ساتھ مضمون نویسی کی درخواست کی جا رہی ہے)، البتہ اس پہلے حصہ کا دوسرے حصوں پر یہ امتیاز ہمیشہ رہے گا کہ اس کے مضمون نگاروں میں حضرت مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی، عالمِ اسلام کے عظیم صحافی وقلم کار مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کے علاوہ پروفیسر سید محمد اجتباء ندوی، ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی اور ملک کے دیگر دینی وعصری اداروں کی عظیم شخصیات شامل ہیں، جن کا خاصہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے مجددی صاحبؒ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا، اور امتِ اسلامیہ کی تعمیر وترقی اور اصلاح وتربیت کے حوالہ سے شاہ صاحب کی کوششوں کا خود مشاہدہ کیا، اس طرح یہ پہلا حصہ استناد کے اعتبار سے بھی پہلا ہی رہے گا۔

اللہ تعالیٰ الہدایہ اسلامک ریسرچ سینٹر، جامعہ ہدایہ کی اس کوشش کو قبولیت سے نوازے اور نافع بنائے۔

☆☆☆☆☆

خصوصی گوشہ بیاد

ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط رحمۃ اللہ علیہ

سابق پروفیسر ام القریٰ یونیورسٹی، مکہ مکرمہ
سابق رکن مجلس نظامت وانتظامی، ندوۃ العلماء لکھنؤ

ہماری دعوتی تصنیفات ورسائل کے خاص مبلغ وناشر

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

’’مکہ معظّمہ میں حرم شریف کے علاوہ صرف تین جگہ جانا اور کچھ وقت کے لیے رہنا ہوا، ایک اپنے محبّ فاضل و قدیم دوست ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط صاحب کے یہاں جو لکھمنیاں بہار کے رہنے والے ہیں، امریکہ میں تعلیم حاصل کی، اور وہیں سے ان سے روابط قائم ہوگئے تھے، ان کے جدامجد حضرت شیخ سلطان بلیاویؒ اور ہمارے جداعلیٰ حضرت سید شاہ علم اللہ حسنیؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلیفۂ اعظم حضرت سید آدم بنوریؒ کے ممتاز ترین خلفاء میں تھے، اس رشتہ سے بھی ان سے ایک خاص ربط ومناسبت تھی، پھر ہماری بعض کتابوں اور تحریروں کے بھی انہوں نے انگریزی میں ترجمے کیے ہیں، اب ہماری دعوتی تصنیفات ورسائل کے خاص مبلغ وناشر ہیں، وہ جامعہ ام القریٰ (مکہ یونیورسٹی) میں پروفیسر اور شعبۂ انگریزی کے صدر ہیں، انہوں نے اپنے وسیع مکان پر (جو محلّہ عزیزیہ میں واقع ہے) راقم کو مع اس کے رفقاء کے دوپہر کے کھانے پر مدعو کیا، ہم نے وہاں کھانا بھی کھایا اور قیلولہ بھی کیا اور ان کے بچوں کو بھی دیکھا، بے تکلفی اور انس ومحبت کے ساتھ وقت گزارا‘‘۔

[کاروانِ زندگی: ج۶/ص۳۱۱-۳۱۲]

ڈاکٹر عباد الرحمٰن کی دینی فکر اور دعوتی جذبہ

ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب پر وقیع مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

الحمدللّٰہ رب العالمین ، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین خاتم النبین سیدنا محمد ، وعلی آلہ وصحبہ الغر المیامین، ومن تبعھم بإحسان إلی یوم الدین، ودعا بدعوتھم أجمعین، أما بعد:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مورث اول حضرت آدم علیہ السلام کو اور ان کی بیوی حضرت حواء علیہ السلام کو جنت سے اس کرۂ خاک پر جب اتارا تو ان کو اور ان کی اولاد کو اس بات کی امید دلائی کہ ان کی اولاد بنی آدم نے اگر زندگی کو اپنے پروردگار کے بتائے ہوئے راستہ پر چلایا تو جنت میں اس کی نعمتوں کی طرف بخیر وخوبی اور خوشی واپسی ملے گی اور جو لوگ اس راستہ سے انحراف کریں گے ان کو ان کے پروردگار کی خوشنودی حاصل نہ ہو سکے گی، اور ان کی زندگی میں ان کی جو غلط کاریاں ہوں گی ان ہی کے معیار سے آخرت کی زندگی میں وہ سزا کے مستحق ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نیکو کار اور شکر گزار بندوں کے لیے جنت اور اپنے نافرمان اور ناشکر گزار بندوں کے لیے جہنم کا ٹھکانہ طے کیا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد نے کچھ عرصہ تک اس بات کا خیال رکھا، لیکن وہ بتدریج اپنے ازلی دشمن شیطان کی کوششوں سے جو انسان کو ہوا وہوس کے ذریعہ غلط راستوں پر ڈالنے لگا، اور اپنے پروردگار کے حکموں کے خلاف کفر وکوتاہی میں مبتلا کرنے لگا ، راستہ سے بھٹکنے لگے، اور اپنے پروردگار کے اس توجہ دلانے کو بھلانا شروع کر دیا کہ دیکھو شیطان تمہارا دشمن ہے، ہوشیار رہو، وہ تم کو بہکا نہ دے، پھر بھی ان کے بہکنے پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو بھیج کر ان کو سنوارنے اور بنانے کی طرف توجہ دلائی، چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جگہ جگہ اور یکے بعد دیگرے نبی آتے رہے، اور لوگوں کو نیکی کی طرف توجہ دلاتے رہے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبیوں کا سلسلہ کچھ عرصہ کے لیے روک دیا گیا، اور انسانوں کو ان میں آئے ہوئے گذشتہ نبیوں کی تعلیمات کو خود سے اختیار کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا، اور کچھ مدت کے لیے نبیوں کی آمد نہیں ہوئی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بھرپور اور جامع نبی کی حیثیت سے مبعوث فرمایا اور ساری دنیا کی ہدایت کے لیے ان کو مقرر کیا، اور ان کے بعد کے زمانے کے لیے نبیوں کے بجائے خود ان کی امت کے برگزیدہ بندوں پر لوگوں کی ہدایت کی کوشش کی ذمہ داری ڈالی، چنانچہ تھوڑی تھوڑی مدت کے بعد جب جب بگاڑ بہت بڑھ جاتا تو کوئی مصلح اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جاتا، جو نبی نہ ہوتا لیکن نبیوں کا کام اس کو انجام دینا ہوتا۔

ہندوستان میں جہاں مسلمانوں کی خاصی تعداد عرصہ سے بسی ہوئی ہے، کئی بار ایسی بڑی شخصیتیں سامنے آئیں جنہوں نے دینی اصلاح کا زبردست کام انجام دیا اور 'مجدد' کہلائے، ان کے کام کے اثرات ملک گیر ہوئے اور عرصہ تک ان کے اثرات باقی رہے۔

تیرہویں صدی ہجری میں مسلمانوں کی زندگی میں شریعت اسلامی سے بے اعتنائی اور باطل رسم ورواج سے وابستگی اور توحید وسنت سے روگردانی جب عام ہوئی، اور مجدد سطح کی شخصیت کی ضرورت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک باہمت اور دینی غیرت رکھنے والے بندہ حضرت سید احمد بن عرفان شہید رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو کھڑا کر دیا، اور ان کے کام میں ایسی اثر انگیزی فرمائی کہ جہاں جہاں وہ اصلاح، اخلاق اور توحید وسنت کی دعوت کے لیے گئے گہرا اثر پڑا، اور تھوڑی مدت میں بڑی اصلاح ہوئی۔

حضرت سید احمد شہیدؒ کے اندر ایک ایسا احساس بھی پیدا ہوا کہ صرف اخلاق کی درستی اور نیک عملوں کا اختیار کرنا کافی نہیں، بلکہ عہد اول کے اہل ایمان میں جو عملی مدارج تھے، ان مدارج کا بھی احیاء کیا جائے ،مثلاً اخلاق وسیرت کی اصلاح کے بعد ہجرت وجہاد کا عمل بھی اختیار کیا جائے ، اور اسلام کا پانچواں رکن حج جو کہ سفر اور راستہ کی دشواریوں کے پیش نظر تقریباً متروک ہو گیا تھا اور "من استطاع الیہ سبیلا" کو قابل عمل نہ سمجھ کر حج کی ضرورت کا احساس بالکل دب گیا تھا، اس کا بھی احیاء کیا جائے چنانچہ سید صاحبؒ نے ان سب کا احیاء کیا۔

ان باتوں کی وجہ سے اس برصغیر میں جس کے پورے علاقے کو ہندوستان کہتے رہے ہیں ، غیر معمولی اور وسیع پیمانہ پر لوگوں کی زندگیوں میں تبدیلی آئی، اور توحید وسنت سے لوگوں کے قلوب صرف آشنا ہی نہیں ہوئے ، بلکہ دلوں کی گہرائی میں ان کی اہمیت

اوران کی پابندی کا جذبہ بھی راسخ ہوا، ہزاروں غیر مسلم بھی مسلمان ہوئے، اور حج وجہاد کے عمل بھی سنت کے طریقہ سے ایک بڑی تعداد نے حضرت سید صاحبؒ کی امارت میں انجام دیئے۔

حضرت سید صاحبؒ کی زندگی کے یہ مختلف مدارج اور احوال ان کے بعض مسترشدین نے ضبط تحریر کیے جو وسعت کے ساتھ کتابوں کی صورت میں وجود میں آئے، وہ کتابیں اپنی ضخامت کی وجہ سے زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکیں لیکن ان سے فائدہ اٹھا کر حضرت سید صاحبؒ کی سیرت پر کئی کتابیں تصنیف ہوکر شائع ہوئیں، مثال کے طور پر جناب غلام رسول مہر صاحب کی کتاب ''سید احمد شہیدؒ'' اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی کتاب'' سیرت سید احمد شہیدؒ'' خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، جنہیں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی لیکن اصل کتابیں جو بنیادی مرجع ہیں، مخطوطہ کی شکل میں اپنی جگہ پر محفوظ رہیں، ان میں ''وقائع احمدی'' کے نام کی کتاب اپنی خاص اہمیت رکھتی ہے، یہ کتاب'' وقائع سید احمد شہیدؒ'' کے نام سے سید احمد شہید اکیڈمی لاہور سے اعلیٰ طباعت کے ساتھ ایک جلد میں تقریباً ڈھائی ہزار صفحات پر مشتمل شائع ہوچکی ہے، اس کے علاوہ دوسرے اہم مراجع میں حضرت سید صاحبؒ کے قافلہ کے ایک ممتاز اور باہمت فرد مولانا سید جعفر نقوی بستوی کی تصنیف ''منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء'' جو فارسی میں ہے، اس کے اردو ترجمہ کا کام جاری ہے۔

مولانا غلام رسول مہر کی کتاب 'سید احمد شہیدؒ' ایک جلد میں تھی، اور اس تحریک کے امتداد کو انہوں نے ''سرگزشت مجاہدین'' اور ''جماعت مجاہدین'' کے نام سے مرتب کیا تھا، جو اب ہندوستان میں مکتبہ الحق جو گیشوری ممبئی سے ''تحریک سید احمد شہیدؒ'' کے نام سے چار جلدوں میں شائع ہوکر عام ہورہی ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے بھی اپنی کتاب ''سیرت سید احمد شہیدؒ'' میں بعد میں بڑے اہم اضافے کیے، دو ضخیم جلدوں میں یہ کتاب مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ نے شائع کی، اور سید صاحب کے رفقاء اور اصحاب وخلفاء کا تذکرہ ''کاروان ایمان وعزیمت'' کے نام سے مولانا نے ہی مرتب کیا جسے مکتبہ اسلام لکھنؤ نے شائع کیا، اس کے علاوہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء کے ایمان افروز سرفروشانہ اور مجاہدہ وعزیمت کے واقعات عربی داں حضرات کے لئے جمع کرکے ایک کتاب تیار کی جو "إذا هبّت رِيح الإيمان" کے نام سے پہلے دار عرفات رائے بریلی نے، پھر مؤسسة الرسالة بیروت نے شائع کی جو بڑی مقبول ہوئی، جس کا اردو ترجمہ ''جب ایمان کی بہار آئی'' کے نام سے مولانا کے برادر زادہ عزیز مولانا سید محمد الحسنی مرحوم نے کیا، اور وہ ہندوستان میں مکتبہ فردوس لکھنؤ اور پاکستان میں مجلس نشریات اسلام کراچی سے شائع ہوکر بہت مقبول ہوا لیکن یہ خلا اپنی جگہ باقی رہا کہ عربی میں سید صاحبؒ کی تحریک، سیرت، مشن اور اس کے اثرات پر مستقل تصنیف ہو، اس خلا کو برادر عزیز مولوی محمد واضح رشید حسنی ندوی نے پُر کیا، اور "الامام أحمد بن عرفان الشهيد" کے نام سے ایک مستقل تصنیف تیار کی، جو مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ سے شائع ہوچکی ہے، یہ کتاب بھی تحقیقی انداز سے اور عصری اسلوب میں لکھی گئی ہے۔

مولانا غلام رسول مہر اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے عصری اسلوب میں اس تحریک اور اس کے اثرات کو پیش کیا تھا، جس نے مسلمانوں کے اندر پھر سے نئی روح پھونک دی تھی، مزید تحقیق وتصنیف کا کام جاری ہے، اور سید صاحبؒ کے مکتوبات بھی مکتبہ رشیدیہ لمیٹیڈ لاہور سے سید صاحبؒ کی تحریک کے ایک اہم علمی واقف کار مولانا سید شاہ نفیس الحسنی صاحبؒ کی توجہ سے منظر عام پر آچکے ہیں۔

مستشرقین نے جو غلطیاں پھیلائی تھیں ان کے ازالہ کی بھی اہل قلم حضرات نے منصفانہ کوشش کی ہے، اور اپنی تحقیقات کے ذریعہ اس تحریک کا مضبوط دفاع کیا ہے۔

پروفیسر محمد اسلم استاذ شعبۂ تاریخ جامعہ پنجاب سید صاحب کی تحریک کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سید صاحب کی تحریک کی غرض وغایت کو سمجھنے کے لیے ان کے سیاسی، سماجی اور معاشرتی پس منظر کو جاننا بے حد ضروری ہے، جب سید صاحب نے اپنی تحریک کا ڈول ڈالا تو اس وقت ''شاہ عالم'' دہلی تا پالم کا بھی مالک نہیں رہا تھا، اور اس کی حکومت قلعۂ معلّٰی کی فصیل کے اندر سمٹ کر رہ گئی تھی، شہر میں رزیڈنٹ صاحب بہادر کا حکم چلتا تھا، اور خلیج بنگال سے لے کر ستلج تک نواب سرکار کمپنی بہادر کا سکہ چلتا تھا، ستلج کے اس پار رنجیت سنگھ کی حکومت تھی، اور وہ درۂ خیبر تک بلا شرکت غیرے حکمراں تھا، دہلی کے نواح میں انگریزوں کے تسلط کے باوجود جاٹ اور رانگڑ دندناتے پھرتے تھے، مسلمانوں کی جان ومال اور آبرو نہ انگریزوں کے ماتحت علاقوں میں محفوظ تھے اور نہ رنجیت سنگھ کے زیر تسلط علاقوں میں، پنجاب کی اکثر مساجد کو

سکھوں نے اصطبلوں میں تبدیل کردیا تھا، اور مساجد کے مینار مؤذنوں کی آواز سننے کو ترس گئے تھے، ان حالات میں شاہ عبدالعزیزؒ نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے دیا اور دیندار لوگ برصغیر سے ہجرت کا ارادہ کرنے لگے۔

ملک تو ہاتھ سے گیا ہی تھا، دین بھی ہاتھ سے جانے والا تھا، فرائض کی جگہ رسومات نے لے لی تھی، اور دین مجموعۂ توہمات ورسومات بن کر رہ گیا تھا، ان حالات میں حضرت سید صاحبؒ اپنے سرفروش رفقاء کے ساتھ مسلمانوں کو قبضہ اغیار سے رہائی دلانے اور بدعات کو مٹا کر سنت نبوی کو زندہ کرنے پر تل گئے لیکن انگریز شاطروں نے اپنے ایجنٹوں اور ''مجددوں'' کے ذریعہ اس تحریک کا استیصال کرنے کی مذموم کوشش کی، اگر سید صاحبؒ کی تحریک کامیاب ہو جاتی تو برصغیر انگریزوں کے چنگل سے آزاد ہو جاتا اور ایشیا کے دوسرے ممالک بھی اہل یورپ کی غلامی سے بچ جاتے۔

سید صاحب کی تحریک کے بارے میں معاندین نے طرح طرح کے بہتان تراشے ہیں، اور وہ ہمیشہ سے اسی فکر میں لگے ہوئے ہیں کہ جیسے بھی بن آئے ان کی اسلامی تحریک اور اس کے پاکیزہ عزائم ومقاصد کو مسخ کرکے غلط رنگ میں پیش کیا جائے''۔ [مقدمہ مکاتیب سید احمد شہیدؒ، مکتبہ رشیدیہ لمیٹیڈ لاہور، ۱۲-۱۳]

ہمارے ڈاکٹر شاہ عباد الرحمٰن نشاط صاحب شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ان سب حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے ایک دستاویزی کتاب (Sayyid Ahmad Shaheed: Life, Mission, and Contributions) انگریزی میں تصنیف کی ہے، جس کی شدید ضرورت تھی اور زیرنظر کتاب جس کا آزاد اردو ترجمہ ہے، بعض انگریزی مصنفین کی جانب سے سید صاحبؒ کی تحریک سے متعلق واقعہ کے خلاف باتیں منسوب کی گئی تھیں، اور غلط پروپیگنڈا کیا گیا تھا جس کی وجہ سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو ایک رسالہ ''تحقیق وانصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ'' لکھنا پڑا تھا، جو بڑا مقبول ہوا، مولانا کی سرپرستی میں انگریزی میں بھی سید غلام محی الدین صاحب مرحوم نے سید صاحب کے متعلق ایک کتاب تیار کی تھی جو مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ سے شائع ہوئی، اس طرح انگریزی میں بھی تعارف پیش کیا گیا، لیکن اس کے باوجود اس بات کی ضرورت تھی کہ عصری اسلوب میں تمام حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے اس عظیم مجدد ومصلح شخصیت کے کارناموں اور ان کی تحریک کے اثرات کو کہ جن سے آج کا عہد بھی متاثر ہے، اور ان کے مشن اور پیغام کو کہ جس کی ضرورت آج بھی اسی طرح ہے کہ اسی طاقتور اور انقلابی انداز سے سماج کی برائیوں کا ازالہ کیا جائے جو نئے نئے وسائل کے ذریعہ نئے نئے انداز سے پھیل رہی ہیں، یہ بات ایک واقعہ بن چکی تھی کہ جدھر سے سید صاحبؒ اور ان کی جماعت کے لوگ گذر جاتے وہاں کی فضا بدل جاتی، توبہ وانابت کا ماحول پیدا ہو جاتا، اور لوگ صاف محسوس کرتے کہ ایمان کی بادبہاری چل رہی ہے، ڈاکٹر نشاط صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ وہ اس کتاب کو پیش کرکے ایک بڑے مادی طوفان کے مقابلہ کے لیے کھڑے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر نشاط صاحب جو کہ امریکہ کی ناردرن الی نوائے یونیورسٹی (Northern Illinois University) میں استاذ رہ چکے ہیں، پھر ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں انگریزی کے پروفیسر رہے، اور اب ابہا سعودی عرب کے کنگ خالد یونیورسٹی (King Khalid University) میں خدمات انجام دے کر رٹائر ہوئے ہیں، انہوں نے اپنی تعلیم کی تکمیل امریکہ میں کی، پھر وہاں لکچرار کی حیثیت سے کچھ مدت گذاری، پھر سعودی عرب میں انگریزی زبان کے پروفیسر کی حیثیت سے رٹائرمنٹ کی عمر تک خدمت انجام دی، وہ اس پوری مدت میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے برابر تعلق رکھتے رہے، اور دینی اور نظریاتی لحاظ سے استفادہ کرتے رہے، کھلے ذہن کے لیکن پختہ اخلاق وکردار کے حامل رہے، اور حضرت مولاناؒ کا اعتماد حاصل کیا، اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے کام اور مقام کو سمجھنے میں بھی حضرت مولاناؒ سے اچھا استفادہ کیا، چنانچہ ان کو انگریزی میں حضرت سید احمد شہیدؒ کو پیش کرنے کا تقاضہ ہوا، اور اس تقاضے کو پیش نظر کتاب کی صورت میں تیار کیا۔

انہوں نے اپنی اس کتاب میں امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ کی حیات، تحریک، مشن اور اس کے آج تک مرتب ہونے والے اثرات پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، اور اس کے ساتھ اخلاقی تربیت، سماجی تبدیلی، سیاسی اثرات اور حکومت کے دس ماہ کے قیام جو خلافت راشدہ کا نمونہ تھی، اس کا تذکرہ کیا ہے، اور اس طرح پوری تحریک کا ایک انصاف پسندانہ جائزہ پیش کیا ہے، آخر میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ تحریک وقتی نہیں تھی، اس کے آج بھی اثرات قائم ہیں، اور یہ کہ یہ اصلاً اسلامی تحریک تھی، جس میں دعوت، اسلامی زندگی کی طرف واپسی کی دی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ

یہ تحریک شریعت مطہرہ کی طرف خالص دعوت دینے والی اور اعلاء کلمۃ اللہ کی زبردست اور کامیاب ترین کوشش تھی، اور یہی اس تحریک کا اصل مقصد تھا، اور اس مقصد میں یہ تحریک انتہائی کامیاب رہی، یہ تحریک ہر قسم کے تعصب سے پاک تھی، اصلاً نشانہ انگریزوں کے خطرات تھے، اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اس تحریک نے ہندوستان کی آزادی کی کوششوں کی طرف خصوصی توجہ مبذول کرائی، اور جنگ آزادی کی داغ بیل ڈالی، ان تمام حقائق کا تفصیلی جائزہ اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے، امید ہے کہ یہ کتاب ایک تاریخی دستاویز ثابت ہوگی، اور لوگوں کے لیے چشم کشا بنے گی، اللہ تعالیٰ مصنف کو اس کا عظیم صلہ عطا فرمائے اور ان حضرات کی برکات کا حصہ بھی عطا فرمائے، آمین۔

ہم ان کو اس بات پر مبارکباد پیش کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب کو شائع کرکے اس عظیم مجدد شخصیت کو خراج عقیدت پیش کررہے ہیں، جس نے جہاد جیسے اصلاح حال اور نصرت حق کے لیے جدوجہد کے مشکل عمل کو جاری کرکے ایک طرف تو اپنے قریب ترین اصحاب کے ساتھ اپنی جانوں کی قربانی دی، دوسری طرف اپنی مجاہدانہ اور مصلحانہ کوششوں سے لوگوں کے اخلاق و عقائد میں انقلاب پیدا کردیا اور اس طریقہ سے وہ اسلامی زندگی کے لیے ایک روشن مینار بن گئے، ضرورت تھی کہ روشنی کے اس مینار کی روشنی سے زیادہ سے زیادہ لوگ مستفید ہوسکیں، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، اور ان کی اس کوشش کو قبول فرمائے، اور اس کے نفع کو عام کرے، آمین۔

☆☆☆☆☆

مبارک تقرری پر دلی مبارکباد قبول کیجیے!

عزیز گرامی قدر سلمہ اللہ تعالیٰ ووفقہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسرت نامہ مورخہ ۱۴ / جون پرسوں ۲۴ / جون کو ملا، پڑھ کر مسرت ہوئی، یہ اور بھی اچھا ہوا کہ کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی میں آپ کا تقرر ہوا، اس وقت وہاں ہماری کتابوں کی اشاعت اور مطالعہ کا ایک بڑا حلقہ پیدا ہوگیا ہے، ہمارے عربی رسائل کئی کئی ہزار کی تعداد میں طلباء اور اساتذہ نے خریدے ہیں، اور ذوق وشوق سے پڑھ رہے ہیں، وہاں متعدد احباب ان خیالات کو پھیلانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں جو ان شاء اللہ آپ کو وہاں ملیں گے، اور میں ان کو لکھ دوں گا کہ وہ آپ سے رابطہ قائم کریں، ان میں سے ایک محمد رفیق صاحب کانپوری یونیورسٹی کے کسی کالج میں ہیں، ایک مصلح الدین حیدرآبادی اور ایک سید غلام محمد انجینئر ہیں، جو سعودی ایئر لائنز میں کام کرتے ہیں لیکن یونیورسٹی سے ان کا ربط ہے، آپ ابھی سے یہ نیت کرلیں کہ وہاں ذہین اور ہونہار نوجوانوں کو جن میں اکثر کا تعلق شعبۂ انگریزی وادبیات سے ہوتا ہے، متاثر و فیضاب ہونے کی کوشش کریں گے، آپ کا دوسرا جواب اسی کی تصدیق کرتا ہے، آپ کے وہاں پہونچ جانے سے ہمارے خاندان کا ایک فرد وہاں پہنچ گیا ہے، اور وہاں ہمارے دست راست ثابت ہوں گے، میری طرف سے اس مبارک تقرر پر دلی مبارک باد قبول کیجیے، مجھے اس سے جو خوشی ہوئی اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے، ان شاء اللہ زندگی ہے تو آپ سے جدہ میں یا اگر مکہ معظّمہ میں آپ کا تقرر ہوا تو آپ سے ملاقات ہوتی رہے گی، اہلیہ عزیزہ کو سلام کہیے، وہ جب ہندوستان آئیں تو اپنے پہونچنے کی اور خیریت کی اطلاع دیں، اللہ تعالیٰ اب آپ سے ارض مقدس پر جلد ملائے۔

والسلام

مخلص

ابوالحسن علی

ایک صاحبِ دل دانشور وادیب

مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

برادر معظم مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ کی وفات کا حادثہ پیش آیا ہی تھا کہ اگلے دن اچانک یہ خبر موصول ہوئی کہ ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط صاحبؒ بھی اس دنیا سے رخصت ہوگئے، ڈاکٹر صاحبؒ ندوۃ العلماء کی انتظامیہ اور نظامت دونوں کے رکن تھے اور ہمارے گھر کے ایک فرد کی طرح تھے، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ سے طالب علمی کے زمانہ ہی سے ان کا بڑا گہرا تعلق تھا، ان کا یہ تعلق خاندانی بھی تھا، بیگو سرائے کے قریب بہار میں لکھمنیاں ایک جگہ ہے، ان کے اجداد میں حضرت شیخ سلطان بلیاویؒ وہیں کے رہنے والے تھے، جو حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ کے خواجہ تاش تھے، یہ دونوں حضرات حضرت آدم بنوریؒ کے بڑے خلفاء میں سے تھے، حضرت شیخ سلطان بلیاویؒ نے وہاں کے علاقہ میں دین کی خدمت کی اور حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ رائے بریلی تشریف لائے، حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کو ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط صاحبؒ سے اس نسبت کی وجہ سے بھی بڑا گہرا تعلق تھا، حضرت مولاناؒ ان سے اکثر فرماتے تھے کہ آپ کا خاندانی تعلق شیخ سلطان بلیاویؒ سے ہے اور ہمارا خاندانی تعلق حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ سے ہے، گویا اس حیثیت سے یہ ایک بڑا گہرا رشتہ تھا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا انتہائی مخلصانہ ومحبانہ تعلق تھا، واقعہ یہ ہے کہ ہم نے بہت کم ایسے مخلصانہ تعلق رکھنے والے لوگ دیکھے ہیں، جب حضرت مولاناؒ امریکہ آنکھ کا آپریشن کرانے گئے تو حضرت مولانا محمد رابع صاحب دامت برکاتہم ساتھ تھے، ان حضرات کا وہاں دو مہینے قیام رہا، مختلف دورے ہوئے اور متعدد علاقوں میں خطابات بھی ہوئے، حضرت مولاناؒ کا امریکہ کا وہ دورہ بڑا مفید تھا، اسی دورہ میں آنکھ کا آپریشن ہوا جس میں الحمد للہ حضرت کی بینائی بحال ہوئی، اس پورے سفر میں نشاط صاحب حضرت مولاناؒ کے ساتھ رہے، کیونکہ اس زمانہ میں وہ امریکہ چلے گئے تھے، جہاں انہوں نے تعلیم حاصل کی اور شاید بعد میں وہیں کسی جگہ پر تدریس کا کچھ مرحلہ بھی گذرا، اس کے بعد وہ مکہ مکرمہ ام القری یونیورسٹی آگئے اور انگریزی کے پروفیسر ہوئے اور وہاں پر انہوں نے بڑا طویل عرصہ گذارا، ان کا گھر ہندوستان سے جانے والوں کے لیے گویا مہمان خانہ ہوتا تھا، ہمیں بھی مکہ مکرمہ میں ان کے یہاں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ سے ان کا تعلق ایسا بڑھتا چلا گیا تھا' ہم سمجھتے ہیں کہ خاندان سے باہر گنے چنے چند نام ایسے ہوں گے جن سے اتنا گہرا تعلق ہو، ہمیں یاد ہے کہ وہ جب آتے تھے تو حضرت مولاناؒ بہت خوش ہوتے تھے، کبھی کبھی جوش میں فرماتے تھے؛ ماشاء اللہ مکہ آگیا، وہ مکہ میں رہتے تھے اور حضرت مولانا کے مکہ کے قیام میں حضرت کی خدمت وضیافت کو عین سعادت جانتے۔

نشاط صاحبؒ اللہ والے اور بڑے ذاکر وشاغل آدمی تھے اور اس میں انہوں نے اتنی ترقی کی کہ حضرتؒ کے مجاز بھی ہوئے اور پھر یہی تعلق حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب دامت برکاتہم سے بھی رکھا، وہ حضرت مولاناؒ کے مجاز تھے مگر اس کے باوجود انہوں نے حضرت مولانا رابع صاحب دامت برکاتہم سے باقاعدہ تجدید بیعت کی اور اخیر تک ویسا ہی تعلق رہا۔

مکہ مکرمہ سے ریٹائرمنٹ کے بعد وہ دہلی آکر مقیم ہوئے، جہاں ان کی ذات سے الحمد للہ بڑا فائدہ پہنچا، انہوں نے متعدد ایسی کتابیں تصنیف کیں جو بڑے معرکہ کی ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں قلم کی طاقت اور ایسی روانی وسلاست دی تھی جو بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے، وہ بڑے ادبی ذوق کے حامل شخص تھے، اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ جو کام اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے وہ دل پر جلدی اثر انداز ہوتا ہے، وہ انگریزی لائن سے آئے تھے لیکن اردو میں ان کو بہت مہارت تھی اور اسی طرح انگریزی میں بھی ان کو پوری قدرت حاصل تھی۔

حضرت سید احمد شہیدؒ پر انہوں نے انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں کتاب لکھی جو بڑی مفید ہے، ان کی یہ کتاب سید احمد شہید اکیڈمی سے شائع کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ بھی انہوں نے اخیر عمر میں کئی مفید رسائل لکھے، تعدد ازدواج پر غیروں کی طرف سے جو اعتراضات ہوتے ہیں، اس پر انہوں نے اپنے ایک رسالہ میں سیر حاصل بحث کی ہے، اسی طرح غزوات رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی انہوں نے بڑا مفید رسالہ لکھا ہے، خاص طور سے جو لوگ جدید تعلیم یافتہ ہیں، جن کے دلوں میں بعض مرتبہ کچھ شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں اور وہ ایمان کے لیے خطرہ بن جاتے ہیں 'ان کے لیے یہ رسالے بڑے مفید ہیں۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کی تعلیمات پر ان کی کتاب گویا شاہراہ معرفت ہے، ابتداء میں سلوک کے راستہ میں آنے والے منازل کے لیے وہ کتاب خاص طور پر نہایت مفید اور راہبر ہے، اس میں ان کے دل کے اثرات ہیں، خود نشاط صاحب جو صاحب دل

تھے اور انہیں حضرت رائے پوریؒ کی نسبت بھی حاصل تھی، انہوں نے ان کی تعلیمات اس طرح جمع کردی ہیں کہ حضرت رائے پوریؒ کی تعلیمات ہی نہیں بلکہ حقیقت میں دیکھا جائے تو اس میں تصوف کی تعلیمات کا مغز آ گیا ہے۔

ڈاکٹر نشاط صاحبؒ کی وفات کا حادثہ ایسا پیش آیا جس کا اثر پڑنا طبعی تھا، لیکن اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنا ہی ایمان کا تقاضا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو آخرت کی بڑی فکر تھی، انہیں ہمہ وقت اللہ کی رضا کا دھیان رہتا تھا، یقیناً نشاط صاحبؒ اللہ کے ان مخلص بندوں میں سے تھے جن سے اللہ پوری طرح راضی ہوگا، یہ اللہ کی رضا کی ایک علامت ہی ہے کہ بہتر سے بہتر وقت میں ان کی وفات ہوئی، ظاہر ہے رمضان سے بڑھ کر مبارک مہینہ کون سا ہوگا۔

نشاط صاحب گرچہ رسمی طور پر عالم نہیں تھے، مگر وہ دین کا فہم رکھنے والے انسان تھے، انہوں نے دین کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کی تھی، جس میں وہ کامیاب تھے، جس طرح وہ ایک کامیاب مصنف اور صاحب قلم تھے، اسی طرح وہ ایک اچھے مربی بھی تھے، اخلاق کی بلندی، تواضع اور ہر ایک کے ساتھ محبت کا معاملہ ان کی وہ صفات ہیں جس میں وہ ممتاز تھے، ان کے میٹھے بول آج بھی کانوں میں رس گھول رہے ہیں، شاید ہی تیز آواز میں بولتے کسی نے ان کو سنا ہو، اللہ تعالیٰ نے ان کو لائق فرزند عطا فرمائے، جنہوں نے اخیر تک اپنے والد کی خدمت کی اور عصری تعلیم حاصل کرنے کے باوجود ان میں وہی رنگ نظر آتا ہے جو ان کے والد مرحوم کی وراثت ہے، اللہ تعالیٰ نشاط بھائی کے درجات بلند فرمائے اور ان کے دونوں فرزندوں کو اپنے والد کا صحیح جانشین بنائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط مرحوم

پیدائش: ۱۰ر جون ۱۹۴۲ء- وفات: ۲۵ر رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ/ ۸ر مئی ۲۰۲۲ء

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ

ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط مرحوم کا تعلق لکھمنیاں بیگوسرائے بہار سے ہے، جہاں کے علاقہ بلیا کے مشہور بزرگ حضرت شیخ سلطان بلیاویؒ حضرت سید آدم بنوریؒ کے ممتاز خلفاء میں تھے، ان ہی کے خاندان سے ڈاکٹر نشاط مرحوم کا تعلق ہے، عصری تعلیم حاصل کرنے کے بعد ان کا دین اور علماء ومشائخ سے تعلق رہا، انہوں نے اپنے وطن میں تعلیم حاصل کی، پھر انگریزی میں ایم اے کی تعلیم یونیورسٹی آف الی نوائے شکاگو اور پی ایچ ڈی ناردرن الی نوائے یونیورسٹی، ڈی کیلب امریکہ سے مکمل کی، اور بالترتیب ناردرن الی نوائے یونیورسٹی امریکہ، ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ اور کنگ خالد یونیورسٹی ابہا سعودی عرب میں شعبۂ انگریزی میں تدریسی خدمات انجام دیں، ایک مقبول وکامیاب استاذ کی حیثیت سے ان کی خدمات سامنے آئیں، اسی طرح انگریزی اور اردو میں ان کے کئی تصانیف وتراجم سامنے آچکے ہیں۔

مکہ مکرمہ میں ان کا قیام دوسرے اہل تعلق کے لیے بھی مفید ہوا جو حج وعمرہ کے لیے حاضری دیتے تھے اور خود ان کے لیے وہاں کی برکات کے ساتھ اس لحاظ سے بھی مفید رہا کہ ان کے شیخ ومرشد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا رابطہ عالم اسلامی کے اجلاس میں شرکت کے لیے بار بار سفر ہوتا تھا اور وہ اس سے فائدہ اٹھاتے تھے، اس کے علاوہ مراسلات کا تعلق بھی قدیم رہا۔

انہیں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت و خلافت حاصل تھی اور یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ ان کی کئی کتابوں کا ترجمہ و انتخاب انہوں نے پیش کیا، ادھر کچھ برسوں سے ان کا قیام اوکھلا نئی دہلی میں تھا، اور یہیں سے انہوں نے اپنی تصنیفی، دعوتی اور اصلاحی سرگرمیاں جاری رکھیں۔

☆☆☆☆☆

جناب عباد الرحمٰن نشاط کی بوالحسن شناسی

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط ۲۵ / رمضان المبارک ۱۴۴۳ھ مطابق ۸ / مئی ۲۰۲۱ء کو داغ مفارقت دے گئے، عباد الرحمٰن نشاط صاحب حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے ان تربیت یافتہ لوگوں میں تھے جنہیں دنیا کم جانتی ہے، ملأ اعلیٰ کے فرشتے، کروبیاں یعنی ملائکہ زیادہ جانتے ہیں، فرشتہ خصلت انسان کو فرشتے ہی زیادہ بہتر جان سکتے ہیں، مرحوم عباد الرحمٰن نشاط صاحب کے اندر ملکوتی روح کارفرما تھی:

خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دلِ بے نیاز

ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط صاحب نے عنفوانِ شباب میں حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی کتاب ''سوانح حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری'' پڑھی، عشق ومحبت میں ڈوبی ہوئی کتاب تھی، عشق کا تیر چل گیا، اور عباد الرحمٰن نشاط صاحب نیم بسمل ہو کر اس کتاب کے قائل اور تیر قلم کے گھائل ہو گئے اور تصوف کی طرف پورے طور مائل ہو گئے، وہ تمام لوگ جنہوں نے یہ کتاب پڑھی ہے' جانتے ہیں کہ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے قلم میں کیسی خوبی موجزن ہے، ''سوانح حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری'' یہ ایک صاحب دل انسان کی سوانح ہے اور اگر کسی صاحب دل کی سوانح ہو اور حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کا قلم ہو تو پھر کتاب دلسوز و دلکشا نغمہ بن جاتی ہے جس سے دل کی کشاد ہوتی ہے جس سے روح معطر ہوتی ہے کتاب ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا مصداق تھی، اس کتاب نے عباد الرحمٰن نشاط صاحب کو حضرت مولانا علی میاں ندویؒ سے بہت قریب کر دیا، ان کے دل کو گھائل اور ان کو حضرت مولاناؒ کی طرف مکمل طور پر مائل کر دیا، مولانا علی میاںؒ کے قلم میں غضب کی تاثیر تھی، یہی تاثیر ان کی کتاب ''سوانح مولانا محمد زکریا کاندھلوی'' میں ہے، میں اکثر سوچتا ہوں کہ ہمارے ملک میں ایسی شخصیتیں پیدا ہوئیں جنہوں نے اہل قلم کی کھیپ پیدا کر دی، مضمون نگار، شاعر، ادیب اور مصنف، ایسی رجال ساز شخصیت کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا سارے اہل قلم بانجھ ہو گئے، روشنائی خشک ہو گئی، کوئی کتاب ایک عرصہ تک ایسی منظر عام پر نہیں آئی جسے ''سوانح مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ'' یا ''سوانح مولانا عبد القادر رائے پوریؒ'' کے ہم پلہ اور ہم وزن کہی جا سکتا ہو، آخر یہ فرق کیوں ہوا؟ جو لوگ اہل عقل تھے' فریب عقل کا شکار تھے اور عقل کا سہارا ڈھونڈھتے تھے، وہ پس پشت چلے گئے لیکن جنہوں نے دل کی رفاقت اختیار کی، عقل کے بجائے دل کو رفیق و رہبر بنایا' وہ کامیاب رہے، اسی لیے اقبال نے کہا:

روز ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

مجھے مذکورہ بالا تجزیہ پر اصرار نہیں ہے لیکن آخر کیوں ایسا ہوا کہ دوسری اہم شخصیتوں پر اعلیٰ درجہ کی کتاب سامنے نہیں آسکی، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی کتابیں ''سوانح مولانا عبد القادر رائے پوری'' اور ''سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی'' بے مثل اور لاجواب سوانح عمریاں ہیں، شخصیتیں اور بھی اٹھیں، ان کی بھی قابل ذکر خدمات رہی ہیں، آخر ان کی سوانح اتنی مؤثر، اتنی دلسوز اور اتنی جاں نواز کیوں نہیں سامنے آئیں، دوسری کتابیں جو سوانح کے موضوع پر ہیں، انہیں وہ قلم کیوں نصیب نہیں ہوا جو حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کو نصیب ہوا، اصل میں یہ وہ فرق ہے جو ایک کھردری نثر میں اور دلنواز و دلربا غزل میں پایا جاتا ہے، ایک غزل ہوتی ہے جو دل کے تاروں کو مرتعش کر دیتی ہے، جو 'از دل خیزد بر دل ریزد' کا مصداق ہوتی ہے اور ایک کھردری نثر ہوتی ہے سنگلاخ زمین کی طرح، مولانا علی میاں ندویؒ کا قلم 'از دل خیزد بر دل ریزد' کا مصداق ہے، ماہر القادری نے مولانا علی میاں کی ایک کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا: ''اہل دل کا تذکرہ ہو اور مولانا علی میاں کا قلم، تو پھر اسلوب گل بہار اور گلزار ہو جاتا ہے، مولانا عبد القادر رائے پوریؒ کی سوانح جب عباد الرحمٰن نشاط صاحب نے پڑھی تو اپنا ذاکر و شاغل دل اس روح پرور کتاب کو دے بیٹھے اور کتاب پڑھتے رہے اور خوشبو کو اپنا ہمسفر بناتے رہے، عباد الرحمٰن نشاط صاحب حضرت مولاناؒ سے اور زیادہ قریب ہو گئے، بہت قریب۔

عباد الرحمٰن نشاط صاحب خوش قسمت تھے کہ ایک طویل عرصہ تک مکہ مکرمہ کی ام القری یونیورسٹی میں انگریزی زبان کے پروفیسر رہے، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رابطہ عالم اسلامی کے اساسی رکن اور مدینہ منورہ کی یونیورسٹی کے

بنیاد گذاروں میں تھے، اس لیے سال میں کئی بار مولانا کا حرمین کا سفر ہوتا تھا اور ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط کو استفادہ کا موقع ملتا تھا، مولانا علی میاںؒ کی روحانی شخصیت ہو اور حرم کی روحانیت نواز اور روح پرور سرزمین، ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط کو روحانیت اور تصوف کی دولت بے بہا حاصل کرنے کا خوب خوب موقعہ ملا، اتنا زیادہ کہ اس کا اندازہ لگانے کے لیے اس راہ کے مسافر سے ہی سوال پوچھنا پڑے گا کہ موسم سہانا اور ساز گار ہو اور ساقی بھی موجود ہو، نہ خم کی کمی ہو نہ جام وساغر کی تو میکشی کی زیادہ سے زیادہ حد کیا ہو سکتی ہے؟!

ڈاکٹر شاہ عباد الرحمٰن نشاط کئی معتبر کتابوں کے مصنف تھے، مجھے صرف ان کے اس انٹرویو کا تذکرہ کرنا ہے جو ''حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ کے افکار کی عصری معنویت'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے، یہ مختلف سوالات کے فکر انگیز جوابات کا مجموعہ ہے، سوالات کرنے والے ''بے باک گفتگو'' نامی ویب سائٹ کے مالک جناب فتح محمد ندوی تھے اور جواب دینے والے ڈاکٹر شاہ عباد الرحمٰن نشاط۔

یہ چھوٹا سا کتابچہ جو ایک انٹرویو ہے، مولانا علی میاںؒ سے متعلق لٹریچر میں اہمیت کا حامل ہے، اس کتابچہ سے ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط کی بوالحسن شناسی پر روشنی پڑتی ہے، مولانا علی میاں ندوی کی مینارۂ نور شخصیت کے کئی اہم گوشے واضح ہوتے ہیں، مولانا علی میاںؒ پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، کئی کتابیں عربی میں اردو میں اور دو تین کتابیں انگریزی میں، لیکن جو باتیں اس انٹرویو میں بتائی گئی ہیں، وہ بہت اہم اور انفرادیت کی حامل ہیں اور ان پہلوؤں کو شامل کیے بغیر مولانا علی میاںؒ کی شخصیت کو پورے طور پر سمجھا نہیں جاسکتا ہے، پھر یہ پہلو معمولی پہلو نہیں ہیں بلکہ یہ ہر قائد کے لیے اسوہ ونمونہ ہیں اور قائدین کو اسی مزاج، اسی سیرت اور اسی کردار کا حامل ہونا چاہیے، اقبال نے اخوت کی جہاں گیری اور محبت کی فراوانی کی جو دعوت دی ہے، مولانا علی میاںؒ کی شخصیت اس کی تمثیل ہے، یہ وہ کردار ہے جس کی طرف علامہ اقبالؒ نے بار بار اشارہ کیا ہے:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

جناب فتح محمد کے ایک سوال کے جواب میں عباد الرحمٰن نشاط صاحب نے فرمایا:

''وہ کسی مخصوص دینی کام کی سرپرستی میں یہ غلو پسند نہیں کرتے تھے کہ اس کام کے علاوہ دوسرے سب کام کم تر اور حقیر ہیں اور فرماتے تھے کہ شریعت مطہرہ کے دائرہ کے اندر اسلامی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے سب کام ضروری ہیں اور انہیں سمجھ داری اور اخلاص کے ساتھ سرانجام دینا چاہیے''۔

یقیناً اس بوالحسن شناسی کی ملت کو ضرورت ہے، کتنے لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ مولانا علی میاںؒ تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ انہوں نے مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے ساتھ کام کیا اور ان کی سیرت و خدمات پر کتاب بھی لکھی، یہ ثبوت ہے کہ مولانا تبلیغی جماعت کے خاص آدمی ہیں، تصوف و سلوک کے دائرے کے لوگ کہتے ہیں مولانا صوفی تھے، تصوف پر اور صوفیاء کرام پر مولاناؒ کی وقیع تصنیفات ہیں، اہل فکر مولانا کو عالم اسلام کا مفکر مانتے ہیں، ''اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش'' اور دوسری کتاب انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر'' کو اپنے دعوی کے ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں، کچھ لوگ مولاناؒ کو مؤرخ کہتے ہیں اور ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کی جلدوں کو اور دوسری کتابوں کو دعوی کی دلیل کے طور پر وہ پیش کرتے ہیں، مولاناؒ کو سب سے زیادہ ایک بڑے عالم دین و داعی اسلام کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے، مولانا کی پوری زندگی دعوت میں گذری، مولانا کے سلسلہ میں یہ تمام باتیں درست ہیں، ہر دعوی صحیح ہے کہ مولاناؒ مؤرخ، مفکر، داعی، پیام انسانیت کے رہنما، ایک صوفی باصفا، حکمرانوں سے لے کر عوام تک سب کو خطاب کرنے والے، اعلیٰ ترین اخلاق والے رہنما، ادیب اور مصنف سب کچھ تھے، اس لیے ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط صاحب کا یہ حوالہ کہ: ''شریعت مطہرہ کے دائرہ میں اسلامی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے سب کام ضروری ہیں'' مولانا علی میاںؒ کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے بہت موزوں حوالہ ہے، مولانا کا یہ بیان کرنا کہ یہ غلط ہے کہ ایک ہی کام کے علاوہ سارے کام کہتر ہیں، مولانا کی شخصیت کی صحیح عکاسی کرتا ہے، مولانا علی میاںؒ بہت سے کاموں کو جو مختلف لوگ انجام دے رہے ہیں، بہت ضروری سمجھتے تھے، ان کی شخصیت میں الار کی کیفیت نہیں تھے، پہلے کے زمانہ میں گاڑی بان مسافروں سے کہتا تھا الار ہو رہا ہے، کچھ لوگ بائیں طرف بیٹھ جائیں یا دائیں طرف بیٹھ جائیں، اب آج کے زمانہ میں زیادہ تر شخصیتیں یا جماعتوں کے ذمہ دار الاری شخصیت رکھتی ہیں، ایک طرف جھکی ہوئی غیر متوازن، مولانا علی میاں

کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ان کی شخصیت میں الا رنہیں تھا، توازن تھا، عدم اعتدال نہیں تھا، مکمل اعتدال تھا، ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط نے بجا طور پر مولانا کی اس شخصیت کواوران کی اس حیثیت کو نمایاں کیا ہے جہاں مولانا علی میاںؒ کا بہت بڑا امتیازی وصف ہے گوناگوں کمالات کو اپنے اندر جمع کر لینا، وہیں ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط کا امتیازی وصف ان کی اعلیٰ درجہ کی بوالحسن شناسی ہے، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے چاہنے والے، ماننے والے، عقیدت رکھنے والے لاکھوں کی تعداد میں ہیں لیکن بہت کم لوگ ہوں گے جو عباد الرحمٰن نشاط صاحب کی طرح بوالحسن شناس ہوں۔

ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط سے ایک اہم سوال پوچھا گیا کہ مولانا علی میاںؒ کا اپنے زمانہ کے بعض مفکرین سے اختلاف بھی ہوا ہوگا، ان اختلافات میں مولاناؒ کا رویہ کیا ہوتا تھا، یہ سوال بہت اہم تھا، انسان اپنے معتقدین ومریدین اور شاگردوں کے ساتھ بہت اونچے اخلاق سے پیش آتا ہے، انسان کا امتحان اس وقت ہوتا ہے جب اسے سابقہ مخالفوں کے ساتھ یا ہم عصر علماء اور مفکرین کی ساتھ پیش آتا ہے۔

ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط نے بتایا کہ افراد اور جماعتوں کے ساتھ ان کا اختلاف بھی رہا تھا لیکن انہوں نے اختلاف رائے کو ٹکراؤ تک نہیں بڑھنے دیا، باہمی اعتماد اور تعاون کا مخلصانہ تعلق انہوں نے ہمیشہ باقی رکھا، آپس میں بے تکلف ملنا جلنا باقی رہا، ضرورت پڑنے پر دینی مقصد کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونا بھی ہوا۔

ڈاکٹر نشاط کا یہ جواب ان کی بوالحسن شناسی کی بہت بڑی دلیل ہے اور واقعہ یہ ہے کہ مولانا علی میاںؒ کے نقوش قدم اختلافات کے موقعہ پر بہت مثالی ہوا کرتے تھے، اعلیٰ درجہ کی مثال، اعلیٰ درجہ کا نمونہ، اخلاق وشرافت کے پیکر سے جو توقع کی جاسکتی ہے، وہی عمل اور وہی کردار مولانا علی میاںؒ کے یہاں پایا جاتا تھا، مثال کے طور پر مولانا علی میاںؒ کو جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودی سے اسلام کی شرح وتفصیل میں اختلاف تھا اور مولانا علی میاںؒ نے اس اختلاف پر کتاب بھی لکھی: ''عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح'' آداب اختلاف کی رعایت دیکھئے کہ کتاب کا پہلا نسخہ شریفانہ جملوں کے ساتھ مولانا نے مودودی صاحب کو بھیجا اور مولانا مودودی نے بھی ویسا ہی شریفانہ جواب دیا۔

مولانا علی میاں کے اس طرز عمل کو دیکھئے اور ''مودودیت کا فتنہ'' جیسے پورے لٹریچر پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ مولانا علی میاں عام علماء کی ذہنی اور اخلاقی سطح سے کئی گنا بلند ہیں، اس اردو کتاب کا عربی ترجمہ مولانا نور عالم امینی نے " التفسیر السیاسی للاسلام " کے نام سے عربی میں کیا تھا یعنی دین اسلام کی سیاسی تعبیر، علامہ یوسف القرضاوی نے جس طرح مولانا ابوالاعلی مودودی پر کتاب لکھی ہے، اسی طرح انہوں نے مولانا علی میاںؒ کی شخصیت پر بھی کتاب لکھی ہے، اس کتاب میں انہوں نے لکھا ہے کہ مولانا علی میاں سے انہوں کہا کہ عرب دنیا کے ڈکٹیٹر حاکم ہم دین کے داعیوں پر یہ الزام تراشی کرتے ہیں کہ ہم اسلام کی سیاسی تشریح کرتے ہیں، آپ کی کتاب سے انہیں تقویت مل جائے گی، یوسف لقرضاوی صاحب نے لکھا کہ مولانا علی میاںؒ نے فوراً جواب دیا کہ یہ پہلو ذہن میں نہ تھا ورنہ میں اس کتاب کا نام یہ ہرگز نہیں رکھتا، کوئی اور شخص ہوتا کہ تو یوسف القرضاوی صاحب سے بحث وحجت کرنے لگتا، مولانا علی میاںؒ نے مولانا مودودی سے اختلاف ضرور کیا لیکن ان کے انتقال کے بعد وہ ان کے لیے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام کرتے رہے، یہ اس لیے کہ مولانا مودودی خادم دین تھے، ہادم دین نہیں تھے، بابری مسجد کے سلسلہ میں بھی ملت کے قائدین سے مولانا علی میاں کو اختلاف تھا اور ان قائدین نے مولانا کے خلاف سخت زبان استعمال کی، مولانا نے اپنا موقف واپس لے لیا، اب ساری دنیا جانتی ہے کہ نتیجہ کیا نکلا، مولانا علی میاںؒ کے مزاج وکردار کے بارے میں ڈاکٹر نشاط نے جو لکھا وہ حرف بحرف صحیح ہے، اقبال کے شعر سے مولانا علی میاںؒ کے مزاج اور اخلاق کی تصویر سامنے آتی ہے:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

ڈاکٹر عباد الرحمٰن کا انٹرویو بہت اہم ہے، انہوں نے پختہ بوالحسن شناسی کا ثبوت دیا ہے لیکن انہوں نے صرف حلقۂ یاراں کا تذکرہ کیا ہے، رزم حق وباطل کا تذکرہ نہیں کیا ہے، رزم حق و باطل میں مولانا کی دینی غیرت وحمیت بہت نمایاں ہوجاتی تھی، جب جمال عبدالناصر نے مصر میں فرعون کے مجسمے نصب کرنے شروع کیے تو اس مجسمہ سازی کے خلاف سب سے طاقتور جو آواز اٹھی، وہ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ اور ان کے شاگردوں کی تھی۔

☆☆☆☆☆

پروفیسر ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط رحمۃ اللہ علیہ

سید محمود حسن حسنی ندوی

حضرت شیخ سلطان مجددی بلیاوی (بلیا صوبہ اتر پردیش کا خطہ نہیں بلکہ صوبہ بہار کا ایک گاؤں) بڑے پایہ کے بزرگ عہد شاہجہانی وعالمگیری میں گذرے ہیں؛ جن کی سیرت واوصاف اور تعلیمات پرانہی سے خاندانی نسبت رکھنے والے بزرگ حضرت ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاطؒ کی ہے جو ان کی کتابوں میں بڑی جامع، موثر، البیلی اور آخری مطبوعہ کتاب ہے؛ جس کی طباعت کے کچھ ہی دنوں بعد انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے مالک حقیقی سے جاملے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت شیخ سلطان بلیاوی کا تذکرہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے حضرت سید آدم بنوری (متوفی ۱۰۵۳ھ) کے جلیل القدر خلفاء میں کیا ہے، اور اپنی مجالس وملفوظات میں ان کی اپنے جلیل القدر اور خاندانی بزرگ حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلویؒ (متوفی ۱۰۹۶ھ) سے خصوصی مناسبت وتعلق کا تذکرہ فرمایا اور ان سے خاندانی نسبت رکھنے والے حضرات سے بھی مناسبت وتعلق ظاہر کیا اور ان پر خصوصی شفقت فرمائی؛ جن میں راقم کی معلومات ومشاہدہ میں مولانا ڈاکٹر محی الدین طالب مفتاحی بیگوسرائے اور ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط مرحوم کا نام نمایاں ہے، اس کے علاوہ ایک اہم نام ڈاکٹر مہدی حسن مرحوم لکھمنیاں کا بھی ہے اور یہ تینوں وہ حضرات ہیں جن کا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے عاشقانہ ووالہانہ تعلق رہا اور بیعت وارادت کا تعلق قائم کر کے مجاز وخلیفہ بھی ہوئے، ان میں مولانا محی الدین طالب مفتاحی مقیم بیگوسرائے (بہار) اپنے فیوض وبرکات سے ابھی بھی مستفید کر رہے ہیں اور بعض باطنی کمالات میں امتیازی شان بھی رکھتے ہیں، أطال اللّٰہ بقاءہ وبارك فی حیاته ونفع به۔

جہاں تک پروفیسر عباد الرحمٰن نشاط مرحوم کا تعلق ہے، انہوں نے اعلیٰ عصری تعلیم حاصل کی اور انگریزی لٹریچر کو موضوع بنا کر اس میں امتیاز وتفوق حاصل کیا اور ان کو اس کے لیے ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں خدمت کا موقع ملا، اس دیار غیر میں ان کی قسمت نے یاوری کی اور ۱۹۷۷ء کا زمانہ تھا کہ دو مہینے کے لیے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا یو ایس اے (U.S.A) کا سفر ہوا، اگرچہ یہ سفر دعوتی سفر تھا لیکن انہی دنوں ان کی آنکھ کا آپریشن کا نظام بھی بن گیا جو فلاڈلفیا میں ڈاکٹر شے نے کیا جو عیسائی سرجن تھا، حضرت مولانا محمد عمر پالن پوری نے یہ گراں قدر مشورہ دیا تھا کہ آپریشن اگر کروانا ہے تو یہودی سرجن پر عیسائی سرجن کو ترجیح دیجیے گا۔

پروفیسر ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط کا تعلق وہاں سے بڑھتا گیا اور اس تعلق نے اس وقت اور استواری مہیا کی جب وہ امریکہ سے مکہ معظمہ کے جامعہ ام القری میں انگریزی کے پروفیسر ہو گئے، مکہ معظمہ کے قیام میں ان کو حضرت مولاناؒ سے اور قربت ہوئی اور یہ تعلق اختصاص کا تعلق ہوتا چلا گیا، حضرت مولانا کے سفر مختلف تقریب ومناسبت سے بلاد حرمین شریفین کے ہوتے، تو حضرت مولاناؒ ان کی مکی نسبت کا اس قدر خیال فرماتے کہ مرید مراد ہو جاتا، اور مسترشد مرشد کا فرق کرنا ایک نئے آدمی کے لیے مشکل ہو جاتا، انہیں بھی اپنے شیخ کے ساتھ ایسا عشق تھا جو انہیں ان آداب کے ساتھ خدمت شیخ میں حاضر کراتا جس کا پاس ولحاظ مدارج سلوک طے کرنے میں مہمیز کا کام دیتا ہے، یوں ان کی زندگی میں وضو سے رہنے کا اہتمام، درود شریف، تسبیحات، اذکار ومعمولات کا اہتمام ومواظبت تھی جس میں کبھی تخلف نہ ہوتا، پھر علمی وتصنیفی مشاغل، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی بعض اہم کتابوں کے انگریزی ترجمے بھی کیے، ان کا ایک اہم ترجمہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب ''اسلام کا تعارف'' کا انگریزی ترجمہ سامنے آیا جو بہت مقبول ہوا اور ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوا اور پھیلا، اس کے لیے انہوں نے استحضار نیت، دوام وضو اور دعا کا جو غیر معمولی اہتمام کیا تھا؛ اس کے ساتھ اس کا بھی استحضار کہ یہ دولت انہیں ان کے استحقاق پر نہیں بلکہ بلا استحقاق محض بفضل خداوندی وتوفیق الٰہی ملی ہے اور یہ وصف واہتمام ان کا صرف اس کتاب کے لیے ہی نہیں بلکہ اپنی دوسری دینی اور دینی شخصیات سے متعلق تصنیفات وتراجم میں بھی رہا تھا، پھر ان کی نظر اصل قبولیت پر ہمیشہ رہتی کہ اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول فرمائے اور ہر ایک نیک عمل کے بعد دوسرے نیک عمل میں لگ جاتے اور تواضع وکسر نفسی میں اضافہ ہی ہوتا جو کسی نیکی کی قبولیت کی خاص علامت ہے۔

حضرت سید احمد شہیدؒ جن کے سلسلہ سے وابستگی واجازت کو وہ اپنے لیے سرمایۂ افتخار وعزت سمجھتے تھے، ان کی شخصیت پر انگریزی میں گراں قدر کام کی طرف کا انھیں شدید احساس تھا تا کہ ان

غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جو مستشرقین یعنی مسیحی و یہودی ماہرین اسلامیات نے شکوک وشبہات پیدا کرنے کا کام کیا ہے، بالآخر وہ وقت بھی آیا کہ انہوں نے انگریزی اور اردو ان دونوں زبانوں میں ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر اپنا وقیع کام پیش کیا، انگریزی کتاب مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ سے اور اردو کتاب سید احمد شہید اکیڈمی دار عرفات رائے بریلی سے شائع ہو کر مقبول ہوئی جس پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کا مبسوط مقدمہ بھی ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی وفات پر ان کے نقوش وتاثرات نے ایک اچھی کتاب کی شکل اختیار کی، رائے بریلی کے ایک ادارہ صدیق اکبر فاونڈیشن نے اسے شائع کیا مگر ان کی خواہش تھی کہ وہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ سے شائع ہوتی، ان کی اس خواہش کا احترام مجلس کے ذمہ داروں نے کیا، اور اس وقت کے اس کے سکریٹری مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں مجلس کو ہدایت کر دی تھی اور کلمہ ناشر بھی عطا کر دیا تھا، افسوس کہ اس کتاب کا یہ دوسرا ایڈیشن ان دونوں بزرگوں کی حیات میں شائع نہ ہو سکا کہ رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ کے آخری ہفتہ میں ایک دن کے فرق سے یہ دونوں ہی اپنے رب کے حضور حاضر ہوگئے، لیکن اپنے لیے اس کتاب کے ذریعہ دونوں صدقہ جاریہ چھوڑ گئے۔

تصوف وسلوک سے انہیں جو طبعاً لگاؤ، تعلق اور مناسبت تھی اور اس کی افادیت وضرورت پر جو یقین تھا اس نے ان کو اس پر بھی ابھارا کہ وہ اس سلسلہ کی ان تعلیمات کا ایک انتخاب وخلاصہ زمانہ، اسلوب وزبان اور طبائع کا خیال رکھتے ہوئے پیش کریں جو ان کے سلسلۂ مشائخ کے اہم اور مرجع خلائق بزرگ وشیخ حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری قدس سرہ کی ہیں، چنانچہ یہ انتخاب جب سامنے آیا اور جسے خود انہوں نے اپنے ادارہ سے شائع کیا تو وہ بہت پسند کیا گیا، بہت سے حلقوں میں اس کی تعلیم بھی کی جانے لگی۔

جہاں تک ان کی آخری مطبوع کتاب ”حضرت شیخ سلطان مجددی لکھمنیوی - سیرت، اوصاف اور تعلیمات نئی تحقیق کی روشنی میں ان کی زندگی کی تشکیلی نو“ کا تعلق ہے، اسے شاہ ولی اللہ اکیڈمی پھلت ضلع مظفر نگر نے شائع کیا، یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے جس کا پہلا باب کتاب کے متعلق چند بنیادی باتیں پیش کرتا ہے کہ کتاب کا موضوع اور مقصد کیا ہے؟ مراجع کیا ہیں؟ طریقۂ کار کیا ہے؟ وغیرہ۔

دوسرا باب حیات وسیرت کا جائزہ پیش کرتا ہے جس میں ان کے سیاسی پس منظر کا جائزہ لینے کے ساتھ ان کی حیات کے ادوار کو لکھا گیا اور ان کو چار دور میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا دور ۱۲ر سال کا بچپن کا ہے جو ۱۰۳۱ھ-۱۰۴۲ھ ہے جہاں وہ پوکھریا بستی میں رہے پھر دہلی تعلیم وتربیت کے لیے گئے اور اس وقت آپ کی عمر بارہ سال کی تھی، واقعہ یہ ہے کہ بہار سے دہلی کا سفر طویل اور پُر مشقت سفر تھا مگر آپ کی بلند ہمتی اور استقلال کی بات تھی کہ آپ مقصد کے لیے پرعزم رہے، وہیں بنّور (مشرقی پنجاب) حضرت سید آدم بنوری کی خدمت میں گئے، بیعت ہوئے اور منازل سلوک طے کیے، دہلی اور پنجاب کا یہ دور بھی ۱۲ سال کا ہے کہ البتہ ۱۰۵۲ھ میں حضرت سید آدم بنوری مدینہ منورہ ہجرت کر گئے تھے، آپ واپس وطن پوکھریا تشریف لے گئے، پھر عائلی زندگی کا دور شروع ہوا، یہاں آپ ٹھہرے نہیں، لکھمنیاں آ گئے اور دریا کنارے مسجد تعمیر کی اور ریاضت ومجاہدہ میں لگے رہے، دوسری بار کا یہ قیام سات آٹھ سال کا تھا، اس میں آپ کو اپنے برادر طریقت حضرت شاہ علم اللہ حسنی سے خاص مناسبت واتحاد رہا کہ وہ بھی اپنے وطن نصیر آباد واپس آئے تو رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے مگر ٹھہرے نہیں، رائے بریلی میں دریائے سئی کے کنارے تکیہ پر مسجد تعمیر کی اور وہیں زہد وعبادت و ریاضت میں لگ گئے، حضرت شاہ سلطان بلیاوی نے لکھمنیاں کی بستی آباد کی، ان کی اولاد وہیں مقیم ہوئی اور ان کی وہیں سے پہچان ہوئی، چوتھا دور ۱۰۶۳ھ-س ۱۱۰۶ھ کا ہے، یہ دور ۴۳ر سال کا ہے، یہ ارشاد وتربیت کا دور ہے، رمضان میں حال یہ ہوتا تھا کہ لکھمنیاں میں ایمان واعمال خیر کی بہار آ جاتی، آپ کے خلفاء دور دور پھیلے اور مجددی طرز فکر کے مطابق اسلام کی آبیاری کے لیے سعی بلیغ کرتے رہے۔

کتاب کا تیسرا باب شیخ سلطان کے خلفاء و خدمات پر اور چوتھا باب مرکز ارشاد وتربیت لکھمنیاں کی تہذیب پر، پانچواں باب طریقۂ نقشبندیہ کی خصوصیات وتعلیمات پر ہے کہ وہ اس کے شیخ جلیل تھے۔

حضرت شاہ عباد الرحمٰن نشاط علیہ الرحمہ نے ایک پیراگراف میں آپ کی شخصیت وتعلیمات کا عطر کشید کرتے رکھ دیا ہے اور جس میں خود ان کا حال مخفی ومستور ہے، وہ لکھتے ہیں:

”واقعہ یہ ہے کہ اعمال دراصل دل کی کیفیت اور اللہ سے تعلق کی حیثیت کے ماتحت ہوتے ہیں جیسے عبادات میں اہتمام مقام بندگی کی عکاسی کرتا ہے اور دعوت وتبلیغ نسبت رسولؐ کے مبارک غلبہ

کی نشاندہی کرتی ہے، اسی طرح حسن اخلاق اور عام لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں انہماک بندے کے اندر ''خلق اللہ'' یعنی اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت سے مناسبت کا عکس جمیل ہے جو بندگی اور عبودیت کا نہایت اعلیٰ مقام ہے، یہ کوئی محض انسانی عادات کے زمرہ کی بات نہیں ہے بلکہ یہ دراصل اللہ تعالیٰ کے اس خصوصی فضل اور عطاء کریمی کا نشان ہے جو وہ اپنے مقبول بندوں کو عطا فرماتا ہے''۔

[از: حضرت شیخ سلطان مجددی لکھمنیوی، ص/۹۱]

حضرت شیخ سلطان بلیاوی کا تعلق خاندان حضرت سید ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہے، ان کے احفاد میں پروفیسر ڈاکٹر شاہ عباد الرحمٰن نشاط مرحوم تھے۔

جہاں تک حضرت ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط مرحوم کے ان کے شیخ ومرشد حضرت مولانا سید ابوالحسن حسنی ندویؒ سے ربط وتعلق کی بات ہے، اس کا بڑا ذریعہ حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی کتاب ''سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری'' بنی جسے ان الفاظ میں انہوں نے بیان کیا ہے:

''یہ بس ایک تقدیری بات تھی، میں نے ان کی کتاب ''سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری'' پڑھنے کے بعد انھیں ایک عریضہ لکھا جس میں میں نے کتاب پر اپنے گہرے تاثر کا اظہار کیا تھا، اس عریضہ میں میرا ذاتی تعارف اور حضرت شیخ سلطان سے میرے نسبی رشتے کا ذکر بھی تھا، حضرت نے میرے عریضہ کا فوراً جواب دیا، مجھے لکھنؤ آنے کی دعوت دی اور دونوں خاندانوں میں قائم اس قدیم رشتہ کا بھی ذکر کیا جو ہمارے جدامجد حضرت شیخ سلطان اوران کے جدامجد حضرت شاہ علم اللہ حسنی کے درمیان اس طرح تھا کہ دونوں بزرگ حضرت آدم بنوریؒ کے خلیفہ تھے اور اس طرح پیر بھائی تھے اور حضرت کے یہاں ایسی نسبتوں بڑا لحاظ تھا..... وہاں میری شناخت حضرت شیخ سلطان کے خاندان کے ایک نوجوان کی حیثیت سے ہی قائم ہوئی اور بعد میں حضرت مولاناؒ کی شفقت میں مجھے جو بھی حصہ نصیب ہوا، اس کی وجہ حضرت شیخ سلطان سے میرا نسبی تعلق ہی تھا''۔

[حضرت شیخ سلطان مجددی، ص/۳۰]

پھر وہ وقت آیا کہ باضابطہ تعلق بیعت و ارادت کا قائم کرلیا اور حضرت مولاناؒ نے انھیں بیعت کرتے ہوئے ان کے مورث اعلیٰ شیخ سلطان کے شیخ حضرت سید آدم بنوریؒ کے خاص سلسلہ ''سلسلہ احسنیہ'' کے بھی چاروں سلسلوں قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، اور نقشبندیہ کے نام کے ساتھ لیا تھا، پھر ڈاکٹر صاحب مرحوم کا تعلق حضرت مولاناؒ سے بڑھتا ہی گیا، اس تعلق کو ان کے نام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے خطوط سے کسی حد تک سمجھا جاسکتا ہے جو ''مکتوبات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جلد ششم'' کی زینت ہیں اور ان کی کتاب سے بھی جو انہوں نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی کی وفات کے بعد نقوش وتاثرات کے طور پر ''حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی- نقوش حیات'' کے نام سے طبع ہوئی ہے۔

۸ / رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ کی بات ہے، حضرت مولاناؒ معمول کے مطابق گھر تشریف لے گئے تھے، ڈاکٹر نشاط صاحب کا فون آیا تھا، حضرت نے ان سے فرمایا کہ وہ چند لوگ جن سے ہم کو بڑا انس وتعلق ہے آپ ممتاز ہیں۔[ذاتی ڈائری، از راقم]

مولانا محمد کلیم صدیقی پھلتی نے ان کے متعلق جو بات لکھی ہے، وہ بھی قابل ذکر ہے:

''انہیں حضرت شاہ سلطانؒ کے احفاد میں ہونے کی نسبت حاصل ہے اور اس سے زیادہ خود وہ تعلق مع اللہ اور سنت وشریعت کے سلسلہ میں حد درجہ محتاط اور ورع وتقوی کے لحاظ سے بھی اس دینی وروحانی دولت کے نمونہ اور امین ہیں جو اس مجددی سلسلہ کا امتیاز ہے''۔

[از مقدمۂ کتاب: شیخ سلطان بلیاوی]

ڈاکٹر نشاط صاحب نے ان اصولوں کا جو پاس ولحاظ رکھا اور وہ جس طرح اس کی حقیقت اور تہہ تک پہونچے، اس کو انہی کے الفاظ میں سمجھا جاسکتا ہے، جب انہوں نے ''سلسلہ احسنیہ'' کے بارے میں اپنے شیخ ومرشد اور اس نسبت کے حامل و وارث و امین حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے پوچھا کہ انہوں نے ان کو ان کے جد امجد کی نسبت کا خیال کرتے ہوئے ان کے شیخ کے اس سلسلہ عالیہ میں بیعت فرمایا تھا جس کا ذکر پچھلی سطروں میں گذر چکا ہے، وہ لکھتے ہیں: ''ایک بار موقعہ دیکھ کر جب میں نے ان سے اس ''سلسلہ احسنیہ'' کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا تھا کہ یہ دراصل سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی ہی ایک شاخ ہے جو حضرت آدم بنوریؒ سے منسوب ہے جو حضرت شیخ سلطان اور حضرت شاہ علم اللہ کے شیخ تھے اور جنہوں نے ان بزرگوں کی تربیت، اس سلسلہ کے اصول لوں کے مطابق کی تھی، اس طرح قسمت نے مجھے اس مقام پر پہنچوا دیا تھا جہاں دوسرے سلسلوں کی بابرکت تعلیمات کے ساتھ ساتھ میرے سامنے سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ کی شاخ ''سلسلہ احسنیہ'' کی تعلیمات، اصول و اقدار سے متعارف ہونے کا موقع تھا،.....

.....بقیہ صفحہ ۳۰ / پر

پروفیسر ڈاکٹر شاہ عباد الرحمن نشاط مرحوم

دین و دانش کا خوبصورت استعارہ

فتح محمد ندوی

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی

خدا کی طرف سے دنیا میں یہ کسی بھی انسان کی نیک بختی اور سعادت مندی بلکہ بڑے نصیبے کی بات ہے کہ اسے زندگی میں نیک اور اچھے لوگوں کی صحبت میسر ہو جائے۔ با اخلاق، باضمیر، پاک روحیں اور نفیس طبیعتیں اس کی نشاط خاطر کا حصہ اور علامت ہوں۔ لاریب ڈاکٹر شاہ عباد الرحمٰن نشاط ان تمام خوبیوں اور اچھائیوں کی جامع صفات شخصیت تھی۔ تہذیب، شائستگی، شرافت، سادگی، وقار و اعتبار، خلوص و محبت، بے نفسی، خوش اخلاقی اور خوش ذوقی، متانت اور سنجیدگی کا ایسے حسین عناصر پیکر جمال ہیولے سے بن کر ان کی زندگی کا خمیر تیار ہوا۔

حضرت شاہ عباد الرحمٰن نشاط سے باضابطہ ملاقات کا شرف تین چار سال قبل دہلی میں جناب احمد عبد اللہ عثمانی کے دولت کدہ پر ہوا، دراصل احمد عبد اللہ عثمانی کے یہاں ہفتے میں حضرت شاہ صاحبؒ کی اصلاحی و تربیتی مجلس لگتی تھی، اسی میں شرکت کی غرض سے حاضری ہوئی، مجلس کے اختتام پر حضرت سے تعارف ہوا، اس پہلے حصول نیاز کے بعد آپ کی شخصیت ہماری امیدوں اور تمناؤں کا مرکز بن گئی، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تعلقات میں اضافہ ہوتا گیا بلکہ حالات یہاں تک پہنچے کہ ہم ان کے خاص نیاز مندوں میں شامل ہو گئے، ان کی بے پناہ شفقتیں، دعائیں اور عنایتیں ہر وقت شامل حال رہنے لگیں، ہر وقت وہ میرا خیال کرتے تھے، دراصل آپ کی معصوم آنکھیں اور شرافت کا مجسم پیکر چہرہ جس پر ہر وقت مسکراہٹ کے پھول اپنی طرف کھینچنے میں بلا کی تاثیر اور کشش کا کام کرتے، ویسے آپ کی ہر ادا اپنے محبین اور متوسلین کو متاثر کرنے میں بڑی زود اثر تھی، جو بھی آپ سے ملا وہ آپ کے لہجے کی شیرینی اور آپ کی بے ریا گفتگو اور جذبے کی صداقت اس کو پھڑکا دیتی تھی، وہ سچ مچ آپ کا سچا عاشق اور جاں نثار ہو جاتا، یہ سب آپ کی باغ و بہار شخصیت کی کرامت تھی، بقول اقبال جس شخص کے پاس نگاہ میں شوخی اور شان دلبری نہ ہو وہ لوگوں کے دلوں پر حکومت نہیں کر سکتا:

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے

مجھے اپنی زندگی میں اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ میں حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی زیارت اور دید کا شرف حاصل نہ کر سکا تاہم شاہ عباد الرحمٰن نشاط سے تعلق اور صحبت نے کسی حد تک حضرت مولانا ندویؒ سے حصول نیاز کا خلا پر کر دیا، مولانا علی میاں ندویؒ کا جو سراپا اور جمالی پیکر، وسعت اخلاق اور کردار و عمل کی بلندی کے حوالے سے سنا اور کتابوں میں اس کا عملی نمونہ اور مکمل پیکر تراشی شاہ عباد الرحمٰن صاحب کی زندگی میں دیکھی، بلا مبالغہ شاہ عباد الرحمٰن صاحب حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے عکس جمیل اور آپ کے افکار و خیالات کے قابل تحسین نمونہ تھے۔

شاہ عباد الرحمٰن صاحب کا تولد سرزمین بہار لکھمنیاں میں ہوا، آپ کے والد محترم شاہ افضال الرحمٰن ایک زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور ساتھ ہی ایک اسکول میں ٹیچر تھے، شاہ عباد الرحمٰن نشاط صاحب تقریباً چھ سال کے رہے ہوں گے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا پھر دس سال کی عمر میں والدہ بھی داغ مفارقت دے گئی، بچپن سے آپ کی مکمل تعلیم انگریزی علوم میں ہوئی، ۱۹۷۰ء میں آپ نے انگریزی زبان میں ایم اے کیا اور کسی کالج میں لکچرار کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دینے لگے، علم و کتاب سے گہری وابستگی اور گھر کے دینی ماحول کی وجہ سے اپنے اکابر اور صلحاء سے محبت اور قلبی تعلق تھا، خود بھی آپ کا خاندان اولیاء اللہ کا مسکن تھا، اس نورانی اور روح پرور ماحول کے زیر اثر بزرگا دین کی سیرت و سوانح آپ کے مطالعہ میں رہتی تھی، ایک روز سوانح شاہ عبد القادر رائے پوریؒ مصنفہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ زیر مطالعہ تھی، اس سے متاثر ہو کر حضرت مفکر اسلام علیہ الرحمہ کو خط لکھا، جس میں اپنے اور مفکر اسلام کے خاندانی بزرگوں کی روحانی نسبتوں کا ذکر بھی کیا یعنی حضرت شاہ عباد الرحمٰن نشاط کے جد امجد حضرت شیخ سلطان مجددیؒ اور مفکر اسلام کے جد امجد حضرت شاہ علم اللہؒ حضرت آدم بنوریؒ (خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی) کے حلقۂ بیعت و ارادت میں شامل تھے، بہر حال اہم روحانی رشتے کی بنیاد پر حضرت مفکر اسلامؒ سے آپ کے گہرے مراسم ہو گئے بلکہ حضرت شاہ عباد الرحمٰن نشاط صاحب نے آپ سے اپنا اصلاحی تعلق بھی قائم کر لیا، پھر حضرت مولاناؒ کے دامن شفقت

میں کچھ سلوک کی منزلیں طے کرنے کے بعد جلد ہی آپ کو مفکر اسلام علیہ الرحمہ نے اپنے سلسلوں میں اجازت بیعت مرحمت فرما کر مصلح ہونے کی سند اور جواز عطا فرمادیا تھا۔

شاہ عباد الرحمٰن نشاط صاحب کی روحانی تربیت حضرت مفکر اسلامؒ کی توجہ اور چشم عنایت میں ہوئی، آپ نے عرفانی صہبائے طہور کے جام مفکر اسلامؒ کے کشکول معرفت سے نوش فرمائے، پھر شاہ عباد الرحمٰن صاحب حضرت مفکر اسلامؒ کے حکم سے امریکہ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے گئے جہاں آپ نے یونیورسٹی آف الی نوائے شگا گو سے ایم اے اور پی ایچ ڈی ناردن الی نوائے یونیورسٹی سے اور ڈی کیلب امریکہ سے مکمل کی، حصول تعلیم کے بعد آپ ناردن الی نوائے یونیورسٹی امریکہ میں اور پھر ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ اور کنگ خالد یونیورسٹی میں درس وتدریس کی خدمات انجام دیں۔

حضرت مفکر اسلام کے مشورے اور رہنمائی سے آپ تصنیف وتالیف کی طرف متوجہ ہوئے، آپ چونکہ عصری علوم سے وابستہ تھے اس لیے حضرت مفکر اسلام جو مردم شناس اور رجال ساز تھے، آپ سے اسی میدان میں کام لیا، میرے ایک سوال کے جواب میں انہوں نے اس پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''حضرت کا یہ ذوق تھا کہ بامقصد مسلم نوجوان مغرب کے اداروں میں تعلیم حاصل کرکے اپنے اندر یہ استعداد پیدا کریں کہ وہ اسلام کے خلاف مغرب کی فکری یورش کا مقابلہ کرسکیں اور مغرب زدہ مسلمانوں کی ذہنی بے چینی کو بھی دور کرسکیں، انہوں نے امریکہ جاکر تعلیم حاصل کرنے کے سلسلہ میں میری بڑی ہمت افزائی کی اور مجھ سے فرمایا کہ میں اس کے لیے اسلام کی خدمت کی نیت کرلوں، انہوں نے مجھے لکھا تھا کہ آج جو ناموس رسالت پر دست درازیاں ہورہی ہیں، ان کا مقابلہ کرنا نہ صرف جہاد بلکہ افضل عبادت ہے، خدا کرے تمہیں اس کا شرح صدر ہوجائے، اس بات سے حضرت کی فکر کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے، وہ امت مسلمہ کے ہر فرد کو اللہ کا سچا بندہ اور اسلام کا بامقصد سپاہی بنانا چاہتے تھے اور ہر محاذ پر مسلمانوں کی نمائندگی کو ضروری سمجھتے تھے۔

[مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے افکار کی عصری معنویت، ص/۲]

حضرت شاہ عباد الرحمٰن نشاط نے اپنے مرشد حضرت مفکر اسلام کے تجربات اور بصیرتوں کی مدد اور مشوروں سے مغرب کے اس طوفان میں امرت کے ذرے دکھائے، دراصل مستشرقین اور مغربی مفکرین کی قرآن وحدیث، اسلام اور پیغمبر اسلام کے صاف شفاف کردار اور سیرت کو داغدار اور مسخ کرنے کی مذموم اور ناپاک کوششوں کو ناکام بنانے کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے صالح افراد کی ایک جماعت میدان عمل میں کام کرتی رہی ہے، بلکہ اس جماعت کے افراد انہیں کی زبان میں ان کا رد اور انکار ایسے مدلل اور علمی پختگی کے ساتھ دیتی رہی جس سے اسلام کی حقانیت دنیا پر واضح ہوگئی، گزشتہ صدیوں میں علامہ شبلی، مولانا محمد علی مونگیری اور علامہ اقبال وغیرہ نے علمی بنیادوں پر ان معاندین اسلام کے جوابات دیے ہیں، اسی سلسلے کی اہم شخصیت شاہ عباد الرحمٰن مرحوم ہیں، آپ نے درجنوں کتابیں اردو اور انگریزی میں مستشرقین اور یورپین متعصب مصنّفین کی تردید میں لکھیں، ان کا ایک اعتراض پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے حوالے سے تعدد ازدواج کو لے کر تھا، اس موضوع پر آپ کی شاہکار کتاب ''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شادیاں: عورت پر احسان عظیم'' ہے، اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، اس پر آپ کی کتاب ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگیں'' ہے، اسی طرح ان کا اسلام پر یہ بھی اعتراض ہے کہ اسلام تشدد پسند مذہب ہے، آپ کی کتاب: ''کیا اسلام ایک تشدد پسند مذہب ہے'' ؟ غرض آپ کا مکمل تصنیفی کام اور کتابیں اسلام کے دفاع میں اس کی روشن تاریخ اور حقانیت کا واضح ثبوت ہیں۔

سچ بات یہ ہے کہ حضرت شاہ عباد الرحمٰن اپنے صالح افکار و خیالات، طبیعت کی نرمی، گداز دل، انسانی قدروں کا امین اور محافظ بلکہ انسانی اقدار کا حد درجہ احترام کرنے والا، مخلوق خدا کا یہ غمخوار، رحم دل اور فیاض، حقیقت میں اقبال کے مرد مومن کی زندہ جاوید مثال اور نظیر تھا، آپ کی شخصیت کی ہمہ جہتی اور آفاقیت اور ذہن ودماغ کی کشادگی، قلب ونظر کی وسعت اور گہرائی، ارادوں کی پختگی، زندگی کی حرکت اور تحرک کی بنیاد پر جہد مسلسل کا استعارہ اور عنوان ہے، فکر وخیال اور جذبے میں وہ فولادی ہمت اور صداقت جس سے تاریخ کے دھاروں کو اپنی مرضی کا پابند بنایا جاسکے، جنبش نگاہ کا یہ کمال کہ کائنات کے رازوں کا زیر وبم دیکھ سکیں، ایسا پختہ ایمان ویقین کہ اس کی بدولت تبلیغ کے فرائض بہ حسن خوبی انجام دیے جاسکیں، بقول اقبال:

امین راز ہے مردان حر کی درویشی
کہ جبرئیل سے اس کو نسبت خویشی

مجھے شاہ عباد الرحمٰن صاحب کی صحبت اور مجلسوں میں حاضری کی بارہا سعادت نصیب ہوئی، لیکن کبھی آپ کی مجلس میں آپ کو بے مقصد

گفتگو کرتے ہوئے نہیں دیکھا، ہر وقت اور ہر مجلس میں آپ با مقصد گفتگو فرماتے، اسلام کی دعوت اور تبلیغ ہی آپ کی زندگی کا مقصد حیات تھا، آپ کی عادت عام طور پر یہ تھی کہ مجلس میں شامل لوگوں کے مزاج، حال اور احوال، علمی شعور اور شان کے مطابق بات کرتے تھے۔

غرض جو جس مرتبہ کا آدمی ہوتا اس کے مطابق اس کو دوائے دل بانٹتے، اگر مجلس اہل علم، علماء اور صلحاء کی ہوتی ان کا حد درجہ احترام ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت ہی قدر دانی کے ساتھ اپنے تجربات ان کو سناتے، موجودہ حالات میں وہ کیسے دین کی سربلندی اور اسلام کا دفاع اور حفاظت کر سکتے ہیں، اسلام دشمن عناصر عالمی سطح پر اس وقت اسلام کے خلاف کس طرح کے پروپیگنڈے کر رہے ہیں، کیا ان کے عزائم اور ارادے ہیں، ہمیں کس طرح ان کا جواب دینا چاہیے، آپ کے یہاں ان سوالوں کا حل تیغ و تفنگ میں نہیں بلکہ حسن عمل اور اخلاق و کردار کی بلندی اور بلند پروازی میں تھا۔

شاہ عباد الرحمٰن نشاط صاحب اپنی نیکی، صلاح اور صلاحیت، قلب و نظر کی پاکیزگی کی بنیاد پر اہل نظر اور اہل دل لوگوں میں شمار تھے بلکہ یہ فقیر منش اور درویش صفت بلاشبہ فرشتوں کی انجمن اور صفات کا انسان تھا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی تربیت اور نظر کرم سے ان کے افکار وخیالات میں آفاقیت اور ذہن و دماغ میں وسعت اور فہم و شعور مستقبل کے اداشناس ہوگئے تھے، آپ جس طرح مفکر اسلام کے علوم و افکار کے روحانی امین تھے، اسی طرح آپ ان کے حسن عمل، حسن کردار و اخلاق کے سچے پیکر اور خوبصورت عنوان تھے، آپ نے تمام عمر اپنے مرشد کی فکروں کی مشعل لیے ہوئے اسلام کی سربلندی اور سرفرازی میں صرف کی، غرض آپ کا وجود اس وقت اہل ہند کے لیے بڑی نعمت تھا، آپ اس چمن کے رازداں تھے، ہزار حسرت و افسوس کے ساتھ قلم آپ کی جدائی اور یاد میں ماتم کناں ہے اور ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اب نالہ و بلبل کا راز کون سمجھے گا، سب اس چمن چھوڑ کر جارہے ہیں، بقول احسان دانش:

با غباں بے دست و پا ٹھہرا بہاریں بے اثر
ایک جھونکا چمن کے رازداں کو لے گیا

☆☆☆☆☆

.....بقیہ صفحہ ۲۷ / کا

اب مجھے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی خدمت میں انھیں تعلیمات سے روشناس ہونے کی امید تھی جو اپنے اپنے وقت پر حضرت شیخ سلطان اور ان کے شیخ اور ''سلسلہ احسنیہ'' کے بانی حضرت سید آدم بنوریؒ کی تعلیمات تھیں اور نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی ہوئی ان تک پہونچی تھیں''۔

[از پیش لفظ: شیخ سلطان مجددی لکھمینوی، ص/۳۱]

اس روحانی تعلق قائم کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اپنے مقالات میں مشورہ و رہنمائی حضرت مولاناؒ سے ہی چاہی اور انہی کے مشورہ سے امریکہ کا سفر کیا پھر امریکہ کو چھوڑا اور مکہ معظّمہ کا قیام اختیار کیا اور سعودی عرب کے بعض دوسرے مقامات پر بھی خدمت کا موقع ملا تو اس سے دریغ نہ کیا، مکہ معظّمہ میں حجاج و معتمرین کی خدمت کا انہیں جو حسین موقع ملا، اس کی پوری قدر کی، خاص طور پر حضرت مولاناؒ کی نسبت سے کوئی بھی پہنچ جاتا تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہتی، میزبانی کا حق ادا کر دیتے، قیام مکہ کی جو نسبت حاصل ہوئی، اس کی حضرت مولاناؒ کے یہاں بڑی قدر تھی، ان کے احترام میں حضرت مولانا لیٹے ہوتے تو بیٹھ جاتے، باوجود ضعف، اعذار و امراض کے ان کا استقبال کھڑے ہو کر کرتے اور بڑے تعلق کا اظہار کرتے، خاندانی اور مکی نسبت نے ان کو حضرت مولاناؒ کے یہاں مرید سے بڑھ کر مردا بنا دیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب بہار کے ایک کالج میں انگریزی ادب میں تعلیم حاصل کر کے شعبہ کے صدر ہوگئے تھے پھر شکاگو امریکہ میں یونیورسٹی آف الّینوائے شکاگو سرکل میں انگریزی ادب میں ایم اے کیا، ڈاکٹریٹ کیا، پھر استاد بھی ہوگئے۔

ڈاکٹر نشاط صاحب نے مشرق و مغرب کے میخانے دیکھے، دونوں تہذیبوں کا فرق دیکھا، امریکہ کے بعد ان کو ام القریٰ کا قیام نصیب ہوا، پھر دہلی میں زندگی کے آخری سال ارشاد و تربیت کے ساتھ گذارے، ایک اچھا حلقہ ان کا بن گیا تھا، جو ان سے متاثر تھا، ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں نے بھی ان کی اعلیٰ استعداد سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، اور اپنی مجلس انتظامی و مجلس نظامت کی رکنیت سے نوازتے ہوئے، الگ سے بھی ان سے استفادہ کی راہیں ہموار کیں، اور وہ بھی موقع بموقع ندوہ اور رائے بریلی آتے رہے، اور اس تعلق کو کمزور نہیں ہونے دیا جو ان کا بہار کے زمانۂ قیام سے ۱۹۷۰ء سے قائم ہوا تھا، ان کا حادثۂ وفات ایک بڑا خسارہ کے طور پر محسوس کیا گیا، اللہ تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت کرے اور ان کی نیکیوں کی روشنی کو خوب عام کرے، آمین۔

☆☆☆☆☆

ایک یادگار تحریر

سید احمد شہیدؒ شخصیت، تحریک اور اثرات

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اسلامی تحریک کا جامع تعارف

ڈاکٹر شاہ عباد الرحمٰن نشاطؒ

جب میں نے حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اوران کی تحریک احیاء دین پر چند کتابیں پڑھیں تو مجھے اس بات پر تعجب ہوا کہ اس تحریک کو، جو ہمارے زمانے سے اتنا قریب ہے اور جس نے ہندوستان کے تاریخ پر اتنے گہرے اثرات چھوڑے ہیں، خود اس ملک کی تاریخ میں مناسب مقام کیوں نہیں حاصل ہوسکا، بعد میں اس موضوع پر مزید مطالعہ کرنے سے مجھے اندازہ ہوا کہ اگرچہ اس کی کئی وجوہات تھیں لیکن اس کا سب سے اہم سبب ہندوستان کی اس وقت کی انگریز حکومت کی وہ شدید مخالفانہ پالیسی تھی جس کی رو سے اس تحریک کو دبانے اور مٹانے کی ہر وہ کوشش کی گئی جو ممکن تھی، انگریزوں نے ہندوستان میں مسلمانوں سے اقتدار چھینا تھا اس لیے ان کے لیے ضروری تھا کہ وہ مسلمانوں کو اتنا مجروح کردیں کہ وہ کبھی انگریزوں کے خلاف کھڑے نہ ہوسکیں، اس پس منظر میں سید احمد شہیدؒ کا اپنے رفقاء اور مجاہدین کے ساتھ کھڑے ہوجانا اور انگریزوں کی قوت کو چیلنج کرنا انگریزوں کے لیے ایک ایسا خطرہ تھا جس سے صرف نظر کرنا ان کے لیے ممکن نہ تھا، اس لیے انہوں نے اس تحریک کو کچلنے اور سید احمد شہیدؒ کی شخصیت کو بدنام کرنے کے لیے ایک منظم مہم کا آغاز کیا۔

انگریزوں نے اس مقصد کے حصول کے لیے دو طریقے اپنائے: اولاً طاقت کا استعمال، جس کے تحت انہوں نے تحریک کے رہنماؤں اور بہی خواہوں کو جیل اور کالا پانی کی سزا دی، انھیں مقدمات میں الجھایا، ان کی جائیداد ضبط کی، اور ہندوستان میں ایک ایسا ماحول پیدا کیا جس میں سید صاحبؒ کی شخصیت کو بدنام کرنے کے لیے ایک تحریک چھیڑی، انہیں ''وہابی'' کا نام دیا اور شیخ عبد الوہابؒ کا جو سعودی عرب کے ایک دینی قائد تھے اور جنھیں بعض وجوہات کی بناء پر ہندوستانی مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا تھا، خوشہ چیں بنا کر پیش کیا، مزید برآں انہوں نے سید صاحبؒ اور ان کی تحریک پر مستقل مضامین اور کتابیں لکھیں جس میں بدترین غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے سید صاحبؒ کو مرگی کا مریض، ڈاکو، اور غیر معروف خاندان سے تعلق رکھنے والا ایک شخص قرار دیا جب کہ حقیقت میں وہ ایک انتہائی پاکیزہ شخصیت کے مالک، مسلمانوں کے عظیم رہنما اور ایک انتہائی معزز خاندان کے فرد تھے۔

انگریزوں کے دور حکومت میں سید صاحبؒ کی تحریک سے ہمدردی رکھنے والوں کو اتنے خطرات درپیش تھے کہ جب حضرت جعفر تھانیسری نے، جو اس تحریک کے ایک مخلص رہنما تھے، سید صاحبؒ کی سوانح لکھی تو انہیں مآخذ میں تبدیلی کرنی پڑی اور سید صاحبؒ کے خطوط میں بعض مقامات پر جہاں لفظ ''انگریز'' لکھا تھا، اسے بدل کر اس کی جگہ انہوں نے ''سکھ'' لکھ دیا، اسی طرح جب سر سید احمد خان نے ولیم ہنٹر کی کتاب ''ہندوستانی مسلمان'' کے جواب میں ایک رسالہ لکھا تو انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ سید صاحبؒ کی تحریک نہ تو تحریک جہاد تھی اور نہ ہی وہ انگریزوں کے خلاف تھی، بعد میں ایک کتاب ''شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ''، مرتبہ عبد اللہ بٹ، جو شاہ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ پر مضامین کا مجموعہ تھی جب ۱۹۴۰ء میں چھپی تو اس میں اس بات کا اعتراف کیا گیا کہ وہ سید صاحبؒ اور ان کے رفقاء کے تعارف کی ایک نامکمل اور بس ابتدائی کوشش تھی، ایسی کسی کتاب کی اشاعت جس میں مجاہدین کو خراج عقیدت پیش کیا گیا تھا، اس وقت ممکن ہوسکی جب انگریزوں کا ہندوستان سے رخصت ہونا قطعی ہوچکا تھا۔

لیکن جیسا کہ اللہ تعالی کو منظور تھا، سید صاحبؒ کی تحریک پر مواد ان کے سوانح نگاروں نے نہایت ذمہ داری کے ساتھ ابتدائی دور میں ہی محفوظ کرلیا تھا، 'مخزن احمدی'، 'وقائع احمدی'، اور 'منظورۃ السعداء' ایسی کتابیں ہیں جن کے مصنف اس تحریک سے متعلق حالات اور واقعات کے چشم دید گواہ تھے، 'تذکرۂ صادقہ' اور 'تاریخ عجیبہ (سوانح احمدی)' کے مصنف وہ لوگ تھے جنہوں نے بعد میں خود اس تحریک میں حصہ لیا تھا، پھر وہ خطوط بھی محفوظ تھے جن میں اس تحریک سے متعلق بہت سی ضروری اطلاعات محفوظ تھیں، اس کے

علاوہ اس دور کے بعد لکھی گئی کتابوں میں بھی جا بجا اس تحریک کا تذکرہ ملتا تھا، اس طرح سید صاحبؒ کی شخصیت، جدوجہد اور مشن کے بارے میں پوری تفصیلات تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہوگئی تھیں، اب ضرورت اس بات کی تھی کہ ان تحریروں کی روشنی میں سید صاحبؒ کی شخصیت اور تحریک کا علمی اور غیر جانبدارانہ جائزہ لیا جاتا، اسے مجموعی شکل میں پیش کیا جاتا اور اس کا مطالعہ تاریخ کے پس منظر میں کیا جاتا۔

یہ مشکل اور اہم کام بیسویں صدی کے دو اہم اور جلیل القدر مصنّفین، سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور مولانا غلام رسول مہرؒ نے انجام دیا، ان دونوں بزرگوں نے اپنی زندگی کے قیمتی اوقات کا ایک بڑا حصہ اس کام میں صرف کیا، عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کے مآخذ کا انتہائی باریک بینی کے ساتھ مطالعہ کیا، حقائق کو غیر مستند روایات سے الگ کیا اور اس تحریک پر ایسی مفصل اور مستند کتابیں تیار کیں جن میں اس تحریک کا مکمل خاکہ بھی تھا اور جن میں پیش کی گئی تفصیلات پر پورا اعتماد بھی کیا جاسکتا تھا، مولانا سید ابوالحسن حسنی ندویؒ نے اس موضوع پر پانچ انتہائی محققانہ کتابیں لکھیں اور ان میں تا حیات قیمتی اضافے کرتے رہے، مولانا غلام رسول مہر نے سید صاحبؒ اور مجاہدین پر تین عظیم الشان کتابیں لکھیں اور ان میں تحقیق کا وہ معیار برقرار رکھا جو انھیں دنیا کے بہترین مؤرخ اور سوانح نگاروں میں شامل کرتا ہے، صرف اپنی پہلی کتاب 'سید احمد شہیدؒ' لکھنے کے لیے انہوں نے چودہ سال لیے جس میں اس موضوع سے متعلق ہر وہ چھوٹی بڑی چیزیں پڑھیں جنھیں وہ حاصل کرسکے، حقیقت میں سید صاحبؒ پر موجودہ اسکالرشپ کی قابل اعتماد حیثیت ان دونوں عظیم محققین کی مرہون منت ہے۔

زیر نظر کتاب میں' میں نے سید صاحبؒ کی تحریک کے مکمل تعارف کے ساتھ ساتھ اس کے گہرے اور دیرپا اثرات کا مفصل خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اس مقصد کے تحت اس کتاب کے پہلے باب میں سید صاحبؒ کی شخصیت اور ان کی تحریک کا مکمل تعارف پیش کیا گیا ہے تاکہ قارئین کو ضروری تفصیلات سے متعارف کیا جاسکے، دوسرے باب سے پانچویں باب تک اس تحریک کے مختلف اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے، چھٹا باب اس کتاب کا اختتام ہے جس میں اس تحریک کے دوررس اثرات کے تجزیہ کے ساتھ ساتھ اس بات کی نشان دہی کی گئی ہے کہ اس تحریک کے اثرات موجودہ دور میں بھی زندہ ہیں۔

میرے مطالعہ اور تحقیق کے نتیجے کے طور پر جو چند باتیں خصوصیت کے ساتھ سامنے آئیں اور جو فطری طور پر اس کتاب میں اہمیت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- سید صاحبؒ کی تحریک خالص اسلامی تحریک تھی، اس کا مقصد مسلمانوں کو اسلام کی سیدھی اور سچی تعلیمات کی طرف واپس لانا تھا، سید صاحبؒ کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول تھا اور ان کی ساری کوششیں اس مقصد کے حصول کے لیے ذریعہ کا درجہ رکھتی تھیں۔

۲- اس تحریک کو صرف جہاد کی تحریک سمجھنا غلط ہے، یہ اصلاً ایک ایسی اسلامی تحریک تھی جس نے مسلمانوں کی مکمل زندگی کا احاطہ کیا اور اسے متاثر کیا، ان اثرات کو ہم مذہبی، اخلاقی، معاشرتی، سیاسی اور قومی دائروں میں بانٹ سکتے ہیں، جہاد یقیناً اس تحریک کا ایک بہت اہم حصہ تھا لیکن اس تحریک کو پوری طرح سمجھنے کے لیے اس کے سارے پہلوؤں کا مجموعی مطالعہ ضروری ہے۔

۳- یہ تحریک مختلف ارتقائی ادوار سے گزری اور پروان چڑھی، اس کا آغاز احیاء ایمان کے بعد انفرادی سطح پر اخلاق کی درستگی سے ہوا، پھر یہ سماجی اصلاح کی داعی بنی، اس کے بعد اس تحریک نے جہاد کو ایک ذریعہ کے طور پر اپنایا، پھر اس کا ایک سیاسی ڈھانچہ ابھرا جو ایک اسلامی ریاست کی شکل میں قائم ہوا، ان سب ادوار میں اس تحریک نے اسلامی شریعت کے اصولوں کی پوری پوری پابندی کی۔

۴- تحریک جہاد کے دور میں اگرچہ سید صاحبؒ کا مقابلہ پہلے سکھوں سے ہوا جس کی وجہ پنجاب میں مسلمانوں پر سکھ حکومت کا ظلم وستم اور سرحد پر ان کی دست درازی اور فوج کشی تھی، لیکن سید صاحبؒ مسلمانوں کا اصل دشمن انگریز کو سمجھتے تھے۔

۵- اس تحریک نے ہندوستان کی جنگ آزادی میں ایک اہم کردار ادا کیا، مجاہدین نے شروع سے انگریزوں کے خلاف محاذ قائم کیا اور ان سے اس وقت تک جنگ کرتے رہے جب تک کہ ہندوستان آزاد نہیں ہوگیا، حقیقت میں مجاہدین کی جماعت ہی ایک ایسی جماعت تھی جس نے اتنے لمبے عرصہ تک انگریزوں کے خلاف جنگ جاری رکھی اور ان سے مصالحت کی کوئی شکل کبھی قبول نہیں کی، ہندوستان کی تحریک آزادی میں اس تحریک کے مقام کا اعتراف مؤرخین کا ایک اخلاقی فرض ہے جسے ادا کرنے کی اس وقت تک کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی ہے۔

۶- یہ تحریک صحیح اسلامی خطوط پر قائم ہونے

کی وجہ سے ہر قسم کے مذہبی تعصب سے بالکل پاک تھی، اس تحریک نے اسلام کے نام پر دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے خلاف نفرت نہیں پھیلائی، اگر سید صاحبؒ نے سکھوں کے ساتھ جنگ کی اور ان کی تحریک کے بعد کے لیڈروں نے انگریزوں کے خلاف لڑائیاں لڑیں تو وہ مسلمانوں اور اسلامی اقدار کے دفاع میں تھیں، نہ کہ اس لیے کہ سکھ اور انگریز دوسرے مذاہب کے ماننے والے تھے، مندرجہ بالا مقاصد کے پیش نظر سید صاحبؒ نے بحالت مجبوری مسلمان خوانین سے بھی جنگ کی ہے۔

۷- یہ تحریک ایک انتہائی کامیاب تحریک تھی، اسے ناکام سمجھنا ایک ایسی غلطی ہے جس کی وجہ اس کے سارے پہلوؤں پر نظر نہ ہونا ہے، حقیقت میں اس تحریک نے اپنے سارے مقاصد پورے طور سے حاصل کیے اور مسلمانوں کی دینی، اخلاقی، سماجی اور سیاسی زندگی میں ایسا محیر العقول انقلاب پیدا کیا جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی تحریک کے بعض پہلوؤں پر مفصل بحث ابھی باقی ہے، خاص طور سے انگریزی میں غیر جانبدارانہ اور قابل اعتماد کتابیں آج بھی کم ہیں، امید ہے کہ پیش نظر کتاب اور اس کی انگریزی اصل (جس کا یہ اردو ترجمہ ہے) کسی حد تک قارئین کی ضرورت پوری کرے گی، اس کتاب میں سید صاحبؒ کی تحریک کے مختلف اثرات کو علیحدہ علیحدہ ابواب میں پیش کیا گیا ہے، امید ہے کہ اس ترتیب کی وجہ سے قارئین کے سامنے ان اثرات کا خاکہ زیادہ واضح طور پر سامنے آسکے گا۔

☆☆☆☆☆

اللہ تعالیٰ آپ کو دینی و روحانی ترقیات سے نوازے!

برادر عزیز و مکرم نشاط صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے دو خط یکے بعد دیگرے ملے، آخری خط ۱۴/اپریل کا، میں لکھمنیاں سے آنے کے بعد آپ کو خود خط لکھنا چاہتا تھا، جس سے آپ کو میرے وہاں جانے کا حال معلوم ہو، لیکن اسی سفر سے میرے پاؤں میں تکلیف شروع ہوگئی، جس کا سلسلہ ابھی تک چل رہا ہے، اس عرصہ میں مجھے بمبئی کے قریب کا ایک سفر بھی کرنا پڑا، اور ایک سفر بھی جس سے آج ہی واپس آیا ہوں، اس عرصہ میں آپ کا مفصل خط مل گیا، اور اس سے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ کے عزیزوں نے آپ کو خود ہی میری وہاں کی حاضری اور قیام کے حالات لکھ دیے، حقیقت میں مجھے اس دو روزہ قیام سے اتنی خوشی ہوئی اور وہاں اتنا جی لگا کہ پورے سفر میں کہیں نہیں لگا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں کسی اجنبی مقام میں نہیں بلکہ اپنے ہی بزرگوں اور عزیزوں کے درمیان ہوں، تکیہ جیسی مناسبت محسوس ہوئی جس کا پہلے سے اندازہ نہ تھا، وہاں سے آنے کو جی تو نہیں چاہتا تھا، لیکن آگے کا پروگرام بنا ہوا تھا، دربھنگہ، مظفر پور، سیوان جانا تھا، اس کا بے شک افسوس رہا کہ یہ سفر آپ کی غیر موجودگی میں ہوا، آپ کو بھی اس کی بڑی خواہش تھی، لیکن آپ ہزاروں میل وہاں سے دور تھے، پھر بھی دل سے دور نہ تھے، یہ کیسے ممکن تھا کہ میں لکھمنیاں جاتا اور آپ کے گھر نہ جاتا، افسوس ہے کہ مصروف پروگرام کی وجہ سے زیادہ بیٹھ نہ سکا، خدا کرے کبھی آپ کی موجودگی میں بھی جانا ہو۔

آپ نے تبلیغی مرکز کے لیے جو رقم دی اور اس کے لیے جو نیت کی وہ آپ کی انتہائی محبت اور خلوص کی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ اس سے آپ کے مراتب بلند فرمائے، اور آپ کو دینی و روحانی ترقیات سے نوازے، آپ تعلیمی مشغولیات میں جتنا ذکر کر لیتے ہیں وہ فی الحال کافی ہے، البتہ درود شریف کی طرف زیادہ توجہ کریں، اور یہ تصور کریں کہ گویا مواجہہ شریف میں کھڑے ہوئے درود کا ہدیہ پیش کر رہے ہیں، اور وہاں سے اس کے جواب میں انوار و برکات آرہے ہیں، کسی وقت خاموش بیٹھ کر یہ بھی تصور کیا کیجیے کہ میرے قلب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور آرہا ہے، بس اتنا کافی ہے۔

آپ ذکر کے موقع پر اشعار ترنم سے بڑے شوق سے پڑھ سکتے ہیں، اس سے فائدہ بھی ہوتا ہے، میں کبھی اپنی والدہ صاحبہ کے اشعار یا فارسی کے کچھ اشعار اپنی بندگی کے اظہار کے لیے پڑھا کرتا ہوں، اس وقت ان کے لکھنے کا موقع نہیں۔

والسلام

ابوالحسن علی

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

باسمہٖ تعالیٰ

تاریخ ۲۵/ مارچ ۲۰۲۲ء

Date 25 March 2022

اپیل برائے تعمیر اسٹاف کوارٹرس

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی ودینی خدمت میں مصروف ہے، دارالعلوم اور اس کی شاخوں میں علمی وتعلیمی امور حسب معمول جاری ہیں، اساتذہ وکارکنان ندوۃ العلماء اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے رہے ہیں۔ اساتذہ واسٹاف کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم میں ان کی رہائش کی مزید گنجائش نہیں رہی تو احاطۂ دارالعلوم کے علاوہ معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء (سکروری) میں اسٹاف کوارٹرس اور معہد سے قریب مستقل طور پر ندوہ کالونی کی سہ منزلہ عمارت تعمیر ہوئی، مگر اب بھی اسٹاف کے لیے کوارٹرس کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر ندوہ کیمپس سے متصل محلّہ مکارم نگر میں مزید اسٹاف کوارٹرس تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسہ پر یہ تعمیر شروع کرادی گئی ہے۔

جدید اسٹاف کوارٹرس کی زیر تعمیر یہ عمارت تین منزلہ ہوگی، جس میں ۹/ فیملی کوارٹرس ہوں گے، اس کی تعمیر پر مبلغ-/1,15,00,000 (ایک کروڑ، پندرہ لاکھ روپئے) کے خرچ کا تخمینہ ہے جو ان شاء اللہ اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورا ہوگا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے اور ندوۃ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ اس کی مدد سے یہ اہم کام تکمیل کو پہنچے گا، وما ذلك على الله بعزيز.

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(پروفیسر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) سید بلال عبدالحیٔ حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

NADWATUL ULAMA
اور اس پتہ پر ارسال کریں
NIZAMAT NADWATUL ULAMA
Nizamat Office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marg, Lukcnow - 226007 (U.P.)

معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر
+91 - 7275265518
پر مطلع فرمانے زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔
فجزاکم اللہ خیر الجزاء

NADWATUL ULAMA
STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH, LUCKNOW
(IFSC CODE : SBIN0000125)

تعمیرات

A/c. No. 1086 3759 733

ONLINE DONATION LINK
https://www.nadwa.in/donation/

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا